# ماہنامہ نصرۃ العلوم جولائی ۲۰۲۲ء

[ جلد ۲۷، شمارہ ۷ ]

::: **فہرست** :::

حالات وواقعات --- s --- مولانا زاہد الراشدی

شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

# سودی نظام سے نجات ہماری قومی ضرورت ہے

۲۶ جون جو جامعہ نصرۃ العلوم میں اسباق سے فارغ ہوا تو دورۂ حدیث کے چند طلبہ نے گھیر لیا اور ایک عزیز شاگرد نے ہمدردی اور افسوس کے لہجے میں کہا کہ استاذ جی! آپ کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا گیا ہے، میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ سود کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا گیا ہے، میں نے کہا کہ اس سے ہماری محنت پر کیا اثر پڑا ہے؟ وہ تو اسی طرح ان شاء اللہ جاری رہے گی، پھر میں نے انہیں سمجھایا کہ سودی نظام کے خلاف جو لوگ جدوجہد کرتے رہے ہیں وہ اب بھی کر رہے ہیں، ان کے اجر وثواب میں کوئی فرق نہیں پڑا اور اب بھی وہ اپنی جدوجہد پہلے کی طرح جاری رکھیں گے۔

اس موقع پر میں نے ان سے کہا کہ میں بھی ان حوالوں سے ایک دور میں بہت پریشان ہوا کرتا تھا کہ کسی کام کے لیے محنت کرتے ہیں اور جان لڑا دیتے ہیں مگر وہ ہوتا نہیں ہے، ایک روز والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے مجھے بیٹھا کر یہ سمجھایا کہ میں تمہاری سرگرمیاں دیکھتا رہتا ہوں کہ دینی جدوجہد میں خوب محنت کرتے ہو، اس لیے ایک بات تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کہ کبھی کوئی کام اس خیال سے نہ کرنا کہ ہمارے کرنے سے وہ ضرور ہو جائے گا بلکہ یہ سمجھ کر کرنا کہ کام ضروری ہے، میں اس کے لیے جو کر سکتا ہوں وہ مجھے کرنا ہے، ہونا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اگر ہو گیا تو بہت خوب اور اگر نہ ہوا تو بھی تمہارے ثواب و اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

میں نے طلبہ سے کہا کہ اس بات کو کم وبیش تیس سال ہو گئے ہیں، میری ساری ٹینشن ختم ہو گئی ہے، میں بڑے بڑے کاموں میں ہاتھ ڈال دیتا ہوں اور بحمد اللہ اس کے لیے محنت بھی بساط کی حد تک کرتا ہوں مگر مجھے کبھی یہ پریشانی نہیں ہوتی کہ کام نہ ہوا تو کیا ہوگا؟ نتائج اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے اپنا کام کرتا رہتا ہوں، اس لیے مجھے کوئی مایوسی یا الجھن پریشان نہیں کرتی، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

آج صورت حال یہ ہے کہ سودی نظام کے خاتمہ کے لیے جدوجہد قیامِ پاکستان کے بعد سے شروع ہوگئی تھی، اور سب سے پہلے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے واضح کر دیا تھا کہ وہ پاکستان کے معاشی نظام کو مغرب کے اصولوں پر نہیں بلکہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر استوار دیکھنا چاہتے ہیں مگر ان کی وفات ہوگئی اور سارا پروگرام تلپٹ ہو کر رہ گیا۔

اس کے بعد سودی نظام کے خاتمہ کے لیے مسلسل جدوجہد جاری رہی اور مختلف طبقات اور جماعتیں اس کے لیے سرگرم عمل رہیں حتیٰ کہ ۱۹۷۳ء کے دستور میں حکومت کو واضح طور پر ہدایت دی گئی کہ وہ جلد از جلد ملک کو سودی نظام سے نجات دلا کر اسلامی اصولوں پر ملک کے نظام معیشت کو استوار کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ المیہ بھی شروع سے ہمارے ساتھ چلا آرہا ہے کہ ہمیں بتدریج ایسے بین الاقوامی معاہدات میں الجھا دیا گیا جن کے ذریعے قومی معیشت بیرونی مداخلت کا شکار رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے پاکستانی معیشت کے کم وبیش تمام شعبوں کو اپنے جال میں جکڑ رکھا ہے اور اس سب کی بنیاد سودی نظام وقوانین پر ہے۔

ہمارے قومی المیہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہمارے قومی معاملات حتیٰ کہ پارلیمنٹ میں قانون سازی بھی بیرونی مداخلت سے آزاد نہیں رہ سکی حتیٰ کہ ریاستی بینک اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی نگرانی بھی اس وقت بیرونی مالیاتی اداروں کے ہاتھ میں ہے، اس لیے ہمارا اصل مسئلہ قومی خودمختاری کی بحالی اور بیرونی مداخلت کی روک تھام کا ہے، جس کے بغیر نہ ہم سود سے نجات حاصل کر سکتے ہیں، نہ ملک میں دستور کے مطابق قرآن سنت کے احکام وتعلیمات کا نفاذ ممکن ہے اور نہ ہی معاشی ترقی اور عوامی خوش حالی کا کوئی راستہ دیکھائی دے رہا ہے، اس ماحول میں سودی نظام کے خاتمہ کے لیے وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ امید کی ایک کرن بن کر سامنے آیا تھا جو کم وبیش تین عشروں کی عدالتی جنگ کے بعد قوم کو میسر آیا تھا، جس میں ملک کے پورے معاشی نظام کو دستور کے مطابق اسلامی تعلیمات کے دائرے میں لانے کے لیے حکومت کو پانچ سال کا وقت دیا گیا تھا اور حکومت وقت کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے اس فیصلے کا خیر مقدم اور اس پر عملدرآمد کے عزم کے اظہار نے عوام کو اس حوالہ سے روشن مستقبل کی امید دلائی تھی جبکہ واقفانِ حال کا کہنا تھا کہ جن سے سودی نظام کے خاتمہ کے لیے کہا جا رہا ہے وہ خود اس سسٹم سے نجات حاصل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہیں تو اس فیصلے پر عملدرآمد آخر کیسے ہو سکے گا؟ اس لیے اصل بات قرآن وسنت اور دستور وقانون کی نہیں بلکہ بیرونی مداخلت اور ڈکٹیشن سے چلنے والے نظام کی ہے، جب تک اس سے چھٹکارا نہیں ملے گا خیر کے کسی

کام کی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں توقع نہیں کی جاسکتی۔

بہرحال اس سب کے باوجود ہم مایوس نہیں ہیں اور نہ ہی بحمد اللہ بے حوصلہ ہوئے ہیں، مختلف دینی حلقوں اور قومی طبقات میں مشاورت کا عمل جاری ہے اور امید ہے کہ ہم عید الاضحیٰ تک سودی نظام کے خاتمہ کے لیے مربوط اور متواتر جدوجہد کا کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لیں گے، قارئین سے اس سلسلہ میں مسلسل دعاؤں کی گذارش ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین

## مکان کیسا ہونا چاہیئے؟

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مسکن کے سلسلہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ آدمی کو گرمی سردی کی شدت اور چوروں کے حملوں سے بچا سکے اور گھر والوں اور ان کے سامان کی حفاظت کر سکے۔ ارتفاقِ منزل کا صحیح مقصود یہی ہے۔ چاہیئے یہ کہ مسکن کی تعمیر میں استحکام کے توغل وتکلف اور اس کے نقش ونگار میں اسرافِ بے جا سے احتراز کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مکان حد درجہ تنگ بھی نہ ہو۔ بہترین مکان وہ ہے جس کی تعمیر بلا تکلف ہوئی ہو۔ جس میں رہنے والے مناسب طور پر آرام وراحت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔ فضا وسیع وعریض ہو، ہوادار ہو اور اس کی بلندی بھی متوسط درجہ کی ہو۔

مکان ہو یا دیگر ضرورتیں، ان سب کا مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ پیش آمدہ ضرورتوں کو اس طور سے پورا کیا جائے جو طبعِ سلیم اور رسمِ صالح کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ لیکن بدقسمتی سے بعض لوگ شاندار عمارتیں بنوانے میں ہوائے نفس کے تابع ہوتے ہیں اور ان کی تعمیر میں نفسانی خوشی محسوس کرتے ہیں اور ان کو مقصود بالذات چیز سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے لوگ نہ تو دنیا کی کدوکاوش سے نجات پا سکتے ہیں اور نہ انہیں فتنۂ قبر اور فتنۂ محشر سے نجات مل سکے گی۔

(البدور البازغۃ مترجم ص ۱۲۳)

خطبہ جمعۃ المبارک (غیر مطبوعہ) --- s --- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
بانی جامعہ نصرۃ العلوم

# قربانی کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى،اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِo بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ o لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِن يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَo (الحج۔۳۶،۳۷)

محترم حاضرین و برادران اسلام!

اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۃ الحج کی آیت ۳۶ اور ۳۷ تلاوت کی ہیں جن میں قربانی کی حقیقت بیان کی گئی ہے،اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكاً لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُم مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے تا کہ وہ ان کو عطاء کردہ مویشی جانوروں پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں،ان جانوروں سے مراد جگالی کرنے والے وہ مویشی جانور ہیں جو انسانوں کے خادم ہیں،ان کے گرد و پیش رہتے ہیں اور ان سے مانوس ہیں،فرمایا وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا تمہارا معبود ایک ہی معبود برحق ہے،اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور عاجزی کرنے والوں کو بشارت سنا دو،یعنی اللہ کے نزدیک فوز و فلاح،کامیابی اور مراتبِ عالیہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔

## اونٹ بحیثیت شعائر اللہ

اصل حقیقت خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنا اور اس کی اطاعت کرنا مقصود ہے اور پھر قربانی کے

جانوروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تلاوت کردہ آیت میں فرمایا ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اور اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں سے بنایا ہے، قرآن پاک قریش کی عربی زبان میں نازل ہوا ہے، عربوں کو اونٹ کے ساتھ خصوصی تعلق تھا، اس دور میں دوسری اقوام کو بھی اس جانور کے ساتھ واسطہ رہتا تھا اور یہ واسطہ آج تک قائم ہے، اونٹ بابرکت اور خدمت گزار جانور ہے، بڑا محنتی ہے، بھوک، پیاس اور سختی کو برداشت کرتا ہے اور انسان کی خدمت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو انسانوں کے لیے مسخر کردیا ہے جو کہ اس کی قدرت کا ایک نمونہ ہے، اونٹ کی جسمانی ساخت بھی حیرت انگیز ہے اور اس میں کمالات بھی اللہ تعالیٰ نے بہت رکھے ہیں، آج کل تو تیز ترین سواریاں نقل وحمل کے لئے میسر ہیں مگر نزول قرآن کے زمانے میں زیادہ تر اونٹ ہی رسل ورسائل کا ذریعہ تھا، اس کے علاوہ گھوڑے، خچر اور گدھے بھی انسانوں کی سواری اور بوجھ اٹھانے کا کام دیتے تھے مگر جو صلاحیت اور خدمت گزاری اللہ تعالیٰ نے اونٹ میں رکھی ہے وہ کسی دوسرے جانور میں نہیں ہے، اللہ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے اونٹ کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے بنایا ہے، ویسے تو اونٹ شعائر اللہ میں نہیں ہے لیکن جب اسے اللہ کے راستے میں قربانی کے لئے وقف کردیا جاتا ہے تو یہ شعائر اللہ میں شامل ہوجاتا ہے۔

## شعائر اللہ کی تعظیم

قربانی شعائر اللہ میں داخل ہے اور شعائر اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اسی سورۃ الحج میں ہے، وَمَن يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (آیت۔۳۲) جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دل میں خدا تعالیٰ کا تقویٰ ہے، شعائر اللہ کی تعظیم بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے برابر ہی ہوتی ہے اور یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا ہے، صفا، مروہ، خانہ کعبہ، قرآن پاک، آذان، نماز اور خود پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ شعائر اللہ میں داخل ہیں، یہ خدا کی عظمت، بڑائی اور اس کی تعظیم کی علامت ہوتی ہیں، قربانی کے جانور خاص طور پر اونٹ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں، اونٹ عرب میں بکثرت پائے جاتے ہیں اور زیادہ تر انہی کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔

## اونٹ کا نحر

ارشاد ہے کہ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ اس میں تمہارے لیے بہتری ہے، تم ان سے ہر قسم کی خدمت لیتے ہو اور فائدہ اٹھاتے ہو، اس لیے اللہ نے اس جانور میں تمہارے لئے بہتری رکھی ہے، فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

صَـوَآفَّ پھر جب خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کو قربانی کے لئے نامزد کرو تو ان پر اللہ کا ذکر کرو جبکہ وہ تین پاؤں پر کھڑے ہوں، اونٹ کو تین پاؤں پر کھڑا کر کے ہی نحر کرنا چاہئے، بٹھا کر بھی اونٹ ذبح تو ہو جاتا ہے لیکن یہ سنت کے خلاف ہے، اونٹ کا ایک پاؤں باندھ کر جب تین پاؤں پر کھڑا ہو جائے تو اس کی گردن میں نیزہ، تلوار یا چھرا سے زخم لگاؤ تا کہ اس کی شہ رگ کٹ جائے اور خون بہہ جائے، اونٹ کو اس طریقے سے نحر کرنا ہی شریعت کے مطابق ہے، اس کے برخلاف بھیڑ، بکری، گائے، بھینس کو قبلہ رخ لٹا کر اس کو ذبح کیا جاتا ہے، بہرحال جب گردن میں زخم لگانے سے اونٹ کا خون بہہ جائے گا تو وہ گر جائے گا، فرمایا فَـإِذَا وَجَبَـتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْـمُـعْتَرّ پھر جب وہ اونٹ اپنے پہلو پر گر جائے تو اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور قانع (قناعت کرنے والے) اور معتر (بے قرار) کو بھی کھلاؤ، یعنی از خود نہ مانگنے والے اور مانگنے والے سب کو گوشت تقسیم کرو، فرمایا كَـــــذٰلِكَ سَـخَّرْنٰهَا لَكُمْ اسی طرح ہم نے اس کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تا کہ تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمت بخشی، جانور عطا کئے تا کہ تم ان کی قربانی کرو، خدا کی بے شمار نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

## قربانی کی حقیقت

آگے قربانی کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے فرمایا لَـنْ يَّـنَـالَ اللّٰـهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا وَلٰـكِن يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ بلکہ اس کی بارگاہ میں تمہارے دلوں کا تقویٰ ہی پہنچتا ہے، خون تو بہہ جاتا ہے، جو دمِ مسفوح ہے اور حرام ہوتا ہے اور قربانی کا گوشت تم خود کھاتے ہو اور دوسروں کو کھلا دیتے ہو لہٰذا یہ چیزیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتیں بلکہ اس تک تو ہمارا تقویٰ پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے اس تقویٰ کو ہی دیکھتا ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد بھی ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَلْوَانِكُمْ وَصُوَرِكُمْ وَلٰـكِـنِ انْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّتِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے رنگوں اور صورتوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں، نیتوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے کہ تم نے کس نیت کے ساتھ قربانی کا عمل انجام دیا ہے، اور اسی سے تمہاری پرہیزگاری معلوم کی جاتی ہے، اس کے برخلاف زمانہ جاہلیت میں مشرک جو معبودانِ باطلہ کے نام پر قربانی کرتے تھے، اس کا گوشت اور خون ان بتوں پر ملتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کی قربانی ان تک پہنچ گئی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتیں بلکہ تمہاری نیت اور تقویٰ اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ اسی طرح ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مسخر کیا ہے لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کیونکہ اس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، یہ ہدایت ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ قربانی بھی کرتا ہے اور حصول تقویٰ کی کوشش جاری رکھتا ہے وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اور آپ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں کو ان کے اچھے انجام کی خوشخبری بھی سنا دو۔

## ایامِ قربانی

اب قربانی کے بارے میں کچھ ضروری مسائل بھی ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کیلئے وقت مقرر ہے اس کے علاوہ قربانی نہیں ہوسکتی، صدقہ خیرات تو ہر وقت ہوسکتا ہے جس کے لئے کوئی دن، تاریخ اور وقت متعین نہیں ہے، وہ دن اور رات میں ظاہری طور پر اور باطنی طور پر ہر طرح سے ہوسکتا ہے، صرف جمعرات کو صدقہ ضروری نہیں کہ اسی دن ہوگا تو ثواب پہنچے گا، بلکہ سال کے تمام دنوں اور راتوں میں صدقہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا ثواب ایصال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ صدقہ صحیح طریقہ کے مطابق کیا گیا ہو، لیکن قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں تا بارہویں تاریخ مقرر ہے اور انہی دنوں میں قربانی کا ثواب حاصل ہوسکتا ہے، امام شافعیؒ چوتھے دن یعنی تیرھویں ذی الحجہ کو بھی قربانی کے دنوں میں شمار کرتے ہیں مگر ان کا قول شاذ ہے، صحیح احادیث میں تین دن کا ذکر ہی آتا ہے، چوتھے دن کی قربانی قربانی نہیں بلکہ صدقہ ہی ہوگا۔

## قربانی کی خصوصی حیثیت

قربانی کے ثواب کے متعلق فقہائے کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس کا بدل نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی اور صدقہ میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں، اس کی ایک صورت اتلاف کی ہے یعنی کسی چیز کو اپنی ملکیت اور قبضہ سے بلکل نکال دیا جائے تو اس کا ثواب حاصل ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص غلام کو اپنی ملکیت سے نکال کر آزاد کر دے تو اس کا ثواب آزاد کرنے والے کو ملے گا، اس صورت میں بظاہر تو آدمی اپنے غلام کو اپنی ملکیت سے نکال کر تلف کر دیتا ہے، مگر اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے، قربانی یا صدقہ کے ثواب کے لئے دوسری چیز تملیک کہلاتی ہے یعنی کوئی چیز اپنی ملکیت سے نکال کر دوسرے کی تملیک میں دے دی جائے اور اسے مالک بنا دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس چیز سے فائدہ اٹھائے، مثال کے طور پر کوئی غلہ، کپڑا، دوائی، نقد پیسہ کسی محتاج کو دے کر اس کی تملیک میں دے دیتا ہے کہ وہ حسبِ منشاء اس چیز سے فائدہ حاصل کرے، صدقہ خیرات کی عام طور پر یہی صورت ہوتی ہے، البتہ قربانی کا

عمل ایسا ہے کہ اس میں اتلاف اور تملیک دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، کوئی شخص جانور کی قربانی کر کے اسے تلف کر دیتا ہے یعنی جانور کا خون بہا دیتا ہے، وہ شخص اس جانور کی زندگی میں اس سے فائدہ حاصل کرتا تھا، اب وہ فائدہ حاصل نہیں کر سکتا، یعنی نہ اس پر سواری کر سکتا ہے، نہ اس کا دودھ، اون استعمال کر سکتا ہے، اور پھر ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت مستحقین میں تقسیم کر کے ان کو اس گوشت کا مالک بنا دیتا ہے، یہ تملیک بھی آ گئی، چونکہ قربانی میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں لہٰذا یہ عام صدقہ یا خیرات قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا۔

## قربانی کی مختلف اقسام

قربانی ان مقررہ تین دنوں میں ہی کی جا سکتی ہے، اگر ان تین دنوں میں بوجوہ کوئی شخص قربانی نہیں کر سکا تو پھر اگلے سال تک انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ قربانی ان ایام کے علاوہ نہیں ہو سکتی، البتہ بعض قربانیاں ایسی بھی ہیں جو زمان و مکان کے ساتھ مختص ہیں اور قربانی کے ان تین دنوں کے علاوہ بھی کی جا سکتی ہیں، مثال کے طور پر اگر کسی شخص نے حج یا عمرہ کے احرام کے دوران کسی جنایت کا ارتکاب کیا ہے تو اس کے بدل کے طور پر وہ ایک جانور قربان کرے گا اور وہ حدودِ حرم میں ہی ہو سکتی ہے، گویا یہ مکان اور زمان کے ساتھ مختص ہے، یہ دمِ قران یا دمِ تمتع کہلاتا ہے، اور ایسی قربانی حدودِ حرم میں اسی زمانے میں کی جا سکتی ہے، قربانی کی ایک صورت نذر کی بھی ہوتی ہے مثلاً کوئی شخص نذر مانتا ہے کہ اس کا مریض شفایاب ہو گیا یا اس کا فلاں کام اللہ نے کر دیا تو وہ قربانی کے دنوں میں قربانی کرے گا، تو ایسی صورت میں حدودِ حرم میں قربانی کرنا ضروری نہ ہوگا جو کہ صرف مکان کے ساتھ مختص تصور کی جائے، ورنہ عام قربانی تو قربانی کے دنوں میں ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

## قربانی کی اہمیت

بعض لوگ قربانی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں جو کہ غلط ہے، اگر قربانی ضروری نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام مدینہ منورہ کے نو سالہ قیام کے دوران ہر سال قربانی کیوں کرتے؟ جب آپؐ حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ نے وہاں ایک سو اونٹ نحر کئے، ان میں سے ۶۳ اپنے ہاتھ مبارک سے نحر کئے اور باقیوں کے لئے برچھا حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا اور ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے نحر کئے، اس کے علاوہ آپؐ نے گائے بھی ذبح کی۔

قربانی کا گوشت بابرکت ہوتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسکو رغبت کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے، حج کے موقع پر نحر کئے گئے اونٹوں میں سے ہر ایک اونٹ سے آپؐ نے ایک ایک بوٹی لی، اس کو پکایا گیا، آپؐ نے اس کا

گوشت کھایا اور شوربا پیا، اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ متبرک چیز ہے اور اللہ نے خود قربانی کرنے والے کو بھی یہ گوشت کھانے کی اجازت دی ہے، اس میں سے امیر غریب سب کھا سکتے ہیں، اگر قربانی نذر کی ہو تو اس میں سے قربانی کرنے والا نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کوئی صاحبِ نصاب امیر آدمی کھا سکتا ہے بلکہ اس کا سارا گوشت محتاجوں میں تقسیم کرنا ضروری ہوتا ہے، یہ نذر کا مسئلہ الگ ہے۔

قربانی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی مصلحت رکھی ہے کہ قربانی کا گوشت ہر آدمی کھا سکتا ہے، خون بہانے میں ایک تو خدا تعالیٰ کی قربت ہوتی ہے کیونکہ مال تلف ہو جاتا ہے اور مال کا اتلاف بھی ایک قسم کی عبادت ہے جس سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کو صدقہ کر کے تقسیم کر دیا جائے، یہ تملیک بھی ہے جو دوسرے کو مالک بنا دیا جاتا ہے۔

## مخصوص ایام میں قربانی کی توجیہہ

قربانی کے خاص ایام کے ساتھ متعین ہونے کی وجہ شاہ ولی اللہؒ یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ بھی دینِ اسلام کا ایک اصول ہے اور مقرر ایام کے ساتھ متعین ہونے والی عبادات میں اللہ تعالیٰ نے خاص حکمت رکھی ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عبادت یا تو اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کی یادآوری کے لئے کی جاتی ہے، اس کی مثال عاشورہ محرم کا روزہ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ اس لئے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن ان کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دلائی تھے اور فرعون بمع لشکر بحیرہ قلزم میں غرق ہو گیا تھا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس نعمت کے شکریہ کا اظہار تھا، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم بھی موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، شکرِ نعمت کی دوسری مثال ماہِ رمضان کے روزے ہیں، اس ماہِ مبارک میں قرآن پاک کا نزول ہوا تھا، اسی لئے اس دوران قرآن پاک کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے کا حکم ہے، لہٰذا اس نعمت کی عطائیگی پر شکریہ کے طور پر اس ماہ کے اندر روزے رکھے جاتے ہیں۔

عبادت و اطاعت کا دوسرا موقع خدا کے کسی نبی کی اطاعت کی یادآوری کے لئے کی جاتی ہے جس کی مثال یہ قربانی کا مسئلہ ہے، خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اس کی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا تو دونوں باپ بیٹا اس کے لئے تیار ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی قربانی کی بجائے جانور کی قربانی کا طریقہ مقرر فرما دیا، چنانچہ اس نعمت کی یادآوری کے لئے مسلمان ہر سال ان ایام میں قربانی کرتے ہیں، جب اہل

ایمان قربانی کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا تصور آ جاتا ہے۔

## قربانی کا درجہ

یہ قربانی واجب ہے یا سنت، دونوں قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں جھگڑا نہیں کرنا چاہئے، بہت سے آئمہ کرامؒ قربانی کو سنتِ مؤکدہ کے درجہ میں شمار کرتے ہیں، یہ بھی بڑی حقیقت ہے، جس کے ترک پر وبال آتا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں جو کہ سنت سے اوپر کا درجہ ہے، امام عبدالوہاب شعرانیؒ نویں صدی کے بہت بڑے عالم اور بزرگ ہوئے ہیں، انہوں نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جن بزرگوں نے قربانی کو سنت کے درجے میں خیال کیا ہے ان کے نظریہ کے مطابق جن آفات و بلیات کو دور کرنے کے لئے قربانی شروع ہوئی ہے وہ امکانی ہیں، ضروری نہیں، یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ امکان ہے کہ اس قسم کی مصیبت وارد ہو، یہ بات ان لوگوں کے حق میں خاص طور پر جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں اور جن لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ انسان سے روزمرہ ایسی کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے وہ آفات و بلیات کا مستحق قرار پاتا ہے، ایسے بزرگوں کے نقطہ نگاہ سے قربانی واجب کے درجہ میں آتی ہے یعنی ضروری قرار پاتی ہے، اسی نقطہ نگاہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے۔

## قربانی کا وجوب

قربانی ایک حد تک ضروری ہے لہٰذا اس کو ترک نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا جس شخص پر قربانی واجب تھی مگر وہ قربانی کے ایام میں قربانی نہ کر سکا تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ قربانی کے جانور کی مالیت کے برابر صدقہ کرے، اگر جانور خرید رکھا ہے مگر قربانی نہیں کر سکا تو وہ جانور اسی سال صدقہ کر دے کیونکہ آئندہ سال تک انتظار کرنے کا حکم نہیں ہے، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرِبَنَّ مُصَلَّانَا جس شخص کے پاس قربانی کی وسعت موجود تھی اور اس نے قربانی نہیں کی، وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے، حضورؐ نے سختی سے منع فرمادیا، یہ بھی قربانی کے وجوب کی دلیل ہے۔

یہ مسئلہ بھی یاد رکھیں کہ قربانی کا وجوب نصاب کے بقدر مالیت پر ہے، جس شخص کے پاس زکوٰۃ کے نصاب کے برابر یعنی دوسو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا ہے، اس پر قربانی واجب ہے، زکوٰۃ

کے نصاب کے برخلاف قربانی کے وجوب کے لئے مالِ نصاب پر ایک سال کا گزرنا شرط نہیں ہے، اگر کسی شخص کے پاس عید کی رات بھی نصاب کے بقدر مال آ گیا تو اس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

## قربانی میں شراکت داری اور اس کا طریقہ

بھیڑ، بکری کی قربانی ایک ہی شخص کی طرف سے کی جا سکتی ہے جبکہ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، البتہ ثواب کی خاطر ایک بھیڑ، بکری وغیرہ دس بیس سو پچاس یا ساری امت کی طرف سے بھی قربان کی جا سکتی ہے، یہ نفلی صدقہ ہوتا ہے، خود حضور علیہ السلام نے سیاہ رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھے کئے جو موجوئین نہیں خصی تھے، آپؐ نے یہ جانور قبلہ رخ لٹا کر یہ دعا پڑھی انی وجهت وجهی للذی فطرت السمٰوٰت الارض حنيفامسلماوما انا من المشركين انّ صلاتی و نسكی ومحيای و مماتی لله رب العالمين لاشريك له وبذٰلك امرت انا اول المسلمين اللّٰهم منكَ ولكَ اے اللہ! یہ جانور تیرا ہی عطا کردہ ہے اور تیری راہ میں تیری خوشنودی کے لئے اس کو ذبح کر رہا ہوں، جانور کا خصی ہونا عیب نہیں بلکہ بہتر ہے، البتہ انسان کا خصی ہونا حرام ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا عن محمدٍ وعن امتہٖ یہ محمدؐ اور آپ کی امت کی طرف سے ہے پھر آپ نے بسم اللّٰہ اکبر کہہ کر جانور کی گردن پر چھری چلا دی، دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ ذبحهما بیدہٖ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ مبارک سے ان کو ذبح کیا، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنے ہاتھوں سے ذبح کرے، اگر خود ذبح نہیں کر سکتا تو دوسرے کو اجازت دے دے اور خود قریب کھڑا رہے، اگر اس کی موجودگی بھی ممکن نہ ہو تو خالی اجازت بھی کافی ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں اللّٰهم هَذا عَنِّیْ وَ عَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میری امت کے ان امتیوں کی طرف سے ہے جو ناداری کی وجہ سے قربانی نہیں کر سکیں گے، حضور علیہ السلام نے امت پر یہ شفقت بھی فرما دی، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قربانی میری امت کے ان لوگوں کی طرف سے ہے جو شَهِدَلَكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَلَهٗ بِالْبَلَاغِ جو تیری توحید کی گواہی دیتے ہیں اور میرے حق میں تمہارا پیغام رسانی کا فریضہ ادا کرنے کی گواہی دیتے ہیں، دوسرا جانور آپؐ نے اپنی طرف سے اور اپنے خاندان کی طرف سے ذبح کیا، یہ میں نے قربانی کے بارے میں عرض کر دیا ہے۔

## چند اہم دینی مسائل

مشترکہ قربانی کا گوشت سارے حصہ داروں میں برابر برابر تقسیم کرنا چاہئے، اس کے بعد جس کو چاہیں دیں۔

(س) غیر مقلد حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ ایک گھر میں رہنے والے سارے افراد کی طرف سے ایک قربانی کافی ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

(ج) بھائی! یہ تو ان لوگوں کا نظریہ ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی کا وجوب مالیت پر ہے، اگر ایک گھر میں دس مرد عورتیں صاحبِ نصاب ہیں تو سب پر الگ الگ قربانی واجب ہے، اگر گھر کے سارے افراد کی ملکیت ایک شخص کے پاس ہے، جیسا کہ عام طور پر اولاد کماتی ہے اور باپ کو دے دیتی ہے تو ایسا سارا مال والدین کا ہوتا ہے لہٰذا قربانی بھی صرف باپ پر واجب ہوتی ہے، البتہ جن عورتوں کے پاس نصاب کے برابر زیور ہو ان پر الگ قربانی آتی ہے۔

(س) بعض کہتے ہیں کہ ذی الحجہ کے پہلے دس دن حجامت نہیں بنوانی چاہئے اور نہ ناخن کٹوانے چاہئیں، یہ مسئلہ کیا ہے؟

(ج) حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ بال اور ناخن نہ کٹوائے، سعید بن مسیّبؒ اور بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ یہ غیر مؤکد حکم ہے یعنی سنت نہیں بلکہ مستحب ہے، اگر پابندی کرتا ہے تو ثواب حاصل ہوگا ورنہ کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس میں ایک قابل اعتراض بات یہ ہے کہ آدمی دس دن تک تو داڑھی نہ منڈوائے اور عید کی نماز پڑھ کر استرا پھروادے، یہ تو شریعت کے ساتھ مذاح ہے، داڑھی رکھنے کی سنت تو قربانی کی سنت سے اونچے درجہ کی ہے، لہٰذا سنت کے مطابق داڑھی رکھنی چاہئے۔

(س) یہ صاحب کہتے ہیں کہ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے اور میں جمعہ کے لئے آپ کی مسجد کا انتخاب کرتا ہوں کیونکہ آپ کی دعوت کا دل پر اثر ہوتا ہے اور ایمان مضبوط ہوتا ہے، البتہ پچھلے جمعہ کے موقع پر آپ نے عبدالغفار سرحدی گاندھی کی صحت کے لئے جو دعا کرائی وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ اس شخص کی پاکستان دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، اس نے کبھی پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا۔

(ج) بھائی! عبدالغفار خان گنہگار ہے مگر مسلمان تو ہے، میں نے ایک مسلمان کے لئے صحت کی دعا کر کے کوئی برا کام نہیں کیا، یہ مسلم لیگ والے بھی سارے کونسے بایزید بسطامیؒ کی اولاد ہیں، یہ بھی تو سارے گنہگار ہیں، خودغرض اور دھوکے باز ہیں، انہوں نے اسلام کا نظام کیوں قائم نہیں کیا، ہم سب بھی گنہگار ہیں لہٰذا گنہگار کے حق

میں دعا مانگنا تو کوئی بری بات نہیں ہے اور ہم ہمیشہ ایسی دعا مانگتے رہتے ہیں، عبد الغفار خان کلمہ گو مسلمان ہے، نماز بھی پڑھتا ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ پاکستان کو نہیں مانتا، بعض دوسرے لوگ بھی نہیں مانتے، مگر آج تک تو اس کو غدار ثابت نہیں کیا جا سکا، اس کا بیٹا تو اسمبلی کا ممبر بھی رہا ہے، جنہوں نے اسلام کی کوئی خدمت نہیں کی وہ سارے اسلام کے حق میں غدار ہی ہیں، کس کس پر انگشت نمائی کرو گے۔

دعائیہ کلمات

یہ صاحب کہتے ہیں کہ دعا کریں، اللہ تعالیٰ مجھے ملازمت دلا دے۔ یہ صاحب کہتے ہیں کہ ان کے خالہ زاد بھائی عبد العزیز کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے حق میں مغفرت کی دعا کریں۔

بھائی! سب حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو شفائے کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے، اور جو مسلمان وفات پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کی بخشش و مغفرت فرمائے اور جو مسلمان پریشان حال ہیں، اللہ تعالیٰ ہر قسم کی پریشانی کو دور فرمائے، کاروبار میں برکت اور رزق حلال میں وسعت نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك۔

(تاریخ خطبہ ۷ اگست ۱۹۸۷ء)

مولانا محمد فیاض خان سواتی

# شوقِ مطالعہ

## توہینِ رسالت پر کفر کے فتویٰ کا معیار

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ المتوفی ۱۴۱۷ھ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں۔

''یہ بات بالکل مسلم ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کسی بھی قسم کی گستاخی کرنے سے ایمان سلامت نہیں رہتا، البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصنف نے کوئی بات لکھی انتہائی احترام کو ملحوظ رکھ کر، گستاخی اس کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں مگر اس کی تحریر پڑھنے والا کچھ تصورات اپنے ذہن میں لیے ہوئے ہے جس کی وجہ سے کبھی دانستہ کبھی نادانستہ ایسا مطلب تجویز کرتا ہے جس سے گستاخی ٹپکتی یا ٹپکائی جاسکتی ہے، پھر ایسی گستاخی کو مصنف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس پر حکم لگایا جاتا ہے کہ اس کی یہی مراد ہے، یہ طریقہ غلط ہے، جو فقرے آپ نے سوال میں نقل کیے ہیں اگر ان کا قائل یا مصنف زندہ ہو تو خود اس سے دریافت کیا جائے، بغیر دریافت کیے کوئی سخت حکم نہ لگایا جائے، اگر وہ زندہ نہیں اس کی کتاب میں یہ موجود ہے تو وہ کتاب روانہ کردی جائے، اس کو دیکھ کر بتایا جاسکتا ہے کہ کیا حکم ہے۔''
(فتاویٰ محمودیہ ج ۲ ص ۴۸۹، طبع کراچی)

## حضورؐ کی افضلیت کی ایک اہم دلیل

مولانا ظہیر الدین سید احمد ولی اللّٰہیؒ نبیرہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

''روایت ہے کہ ایک انگریز مقابلہ کے لئے آپ (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے پاس آیا، عربی وفارسی میں دستگاہ کامل رکھتا تھا، حضرت مولانا صاحب جامع مسجد دہلی میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس نے آتے ہی عرض کیا کہ حضرت میرے سوال کا جواب دیجئے، آپ نے فرمایا کہو، اس نے ایک شعر پڑھا۔

؎ کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ ست
کہ ایں بزیرِ زمین دفن و آں باوجِ سما ست

اور کہا کہ اس شعر سے بلندی رتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آسمان پر ہیں اور آپ کے نبیؐ زیرِ خاک۔

حضرت مولانا صاحب نے اسی وقت اس کے جواب میں شعر پڑھا۔

بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد

حباب برسرِ آب و گہر تہِ دریا ست

فرمایا یوں سمجھنا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالمِ بالا میں بمنزلۂ حباب (بلبلہ) کے ہیں اور ہمارے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مثل گوہر نایاب جو دریا کے تہہ میں رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ انگریز یہ تقریر سن کر پھڑک گیا، چونکہ مشیت ایزدی میں اس کے لئے فلاح تھی اسی وقت مسلمان ہوگیا۔''

(کمالاتِ عزیزی ص۳۵، طبع کراچی)

## حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نظر میں

محترمہ ڈاکٹر حنیفہ رضی صاحبہ رقمطراز ہیں۔

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے معاصرین کے علم وفضل کے اعتراف میں بڑے وسیع القلب واقع ہوئے تھے، حضرت عمرؓ سے تو ان کو بڑی عقیدت تھی، آپ فرماتے تھے کہ اگر تمام عرب کا علم ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور حضرت عمرؓ کا علم دوسرے پلڑے میں تو عمرؓ کے علم کا پلڑا بھاری رہے گا، آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ عمرؓ کے ساتھ ایک گھڑی بیٹھنا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔''

(عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی فقہ ص۱۲۲، طبع لاہور)

## سب سے بڑا چیلنج مادّیت

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ المتوفیٰ ۱۹۹۹ء نے فرمایا۔

''اس طرح اس دور کا سب سے بڑا چیلنج مادّیت کا چیلنج ہے، یہ ایک ایسی کلّی حقیقت ہے جس کے اصول و انواع تو سینکڑوں ہوسکتے ہیں، لیکن جنس ایک ہے، جنس ہے مادّیت، اب اس کے انواع میں سرمایہ داری ہے، اشتراکیت بھی ہے، اشتمالیت (کمیونزم) بھی ہے اور دوسرے اقتصادی فلسفے بھی ہیں، لیکن سب کا منتہیٰ اور نقطۂ جامعہ، قدر مشترک (COMMON FACTOR) مادّیت ہے، نفس پرستی ہے۔''

(حدیث پاکستان ص۱۳۵، طبع کراچی)

## حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے لاجواب اشعار

مولانا ظہیر الدین سید احمد ولی اللہیؒ نبیرہ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ رقمطراز ہیں۔

''ایک روز حضرت مولانا (شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ) صاحب نے فرمایا کہ عمر شباب میں مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی، فارسی و ہندی یاد تھے، اب بھی دس گیارہ ہزار یاد ہوں گے، پھر آپ نے ایک رباعی جو جناب سرور کائناتؐ کی شان میں تصنیف فرمائی تھی پڑھی۔

رباعی!

؎ یا صاحب الجمال ویا سید البشرؐ

من وجهك المنير لقد نور القمر

لايمكن الثناء كما كان حقهٗ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

(کمالات عزیزی ص ۳۴ طبع کراچی)

## مقاماتِ حریری سے علماء کی ناراضگی

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ المتوفی ۱۳۷۴ھ رقمطراز ہیں۔

''ادب کے سلسلہ میں معذور سمجھا جاوے اگر میں یہ عرض کروں کہ

؎ ''معشوق من ست آں کہ بہ نزدیک تو زشت است''

عصر حاضر کے علماء مقامات حریری سے ناراض ہیں، صوبہ آسام کے سرکاری عربی مدارس کے ممتحن ہونے کی حیثیت سے مجھ کو علم ہے کہ وہاں یہ مظلوم کتاب صرف پانچ مقاموں تک داخل ہے، انتخاب سوالات کے وقت میں اکثر متعجب ہوتا تھا کہ مقامات حریری کے ان چند اوراق کو داخل کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی؟ اگر تبرک ہی حاصل کرنا تھا تو طلبہ کو اس کی فقط زیارت کرادی جاتی، اب سنا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی نے بھی اس جزء لایتجزی کو اپنے نصاب میں جگہ دے دی ہے۔''

(مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۹۸، طبع کراچی مرتبہ مولانا محمد عمران خان ندوی سابق مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

## جامع مسجد قرطبہ میں ایک عجیب مائک

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ المتوفی ۱۹۹۹ء قمطراز ہیں۔

’’مسجد (جامع قرطبہ) کے اندر بنے ہوئے گرجوں نے جن کی تعداد چھ بتائی گئی، اس کا حلیہ بگاڑ رکھا ہے، اور سمت قبلہ کا تعین بھی دشوار بنا دیا ہے، پھر بھی تحقیق کر کے محراب میں کھڑا ہو گیا، مسیحی گائڈ نے بتایا کہ یہاں جو آواز دی جائے گی، وہ مسجد کے آخری گوشہ تک پہنچے گی، یہ قدرتی مائک ہے، جو اندلس کے عرب معماروں نے دریافت کیا۔

(حاشیہ) بیجاپور کی جامع مسجد میں بھی یہ صنعت موجود ہے اور دہلی کی مغل دور سے پہلے کی ایک مسجد میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے۔)

میں نے بے اختیار وہاں بلند آواز سے ’’قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا‘‘ پڑھنا شروع کیا، گائیڈ نے شور مچا کر میری آواز دبانے کی کوشش کی، اور ایک بار قرآن مجید کی آیت ’’وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ‘‘ (کفار نے کہا، اس تلاوت پر کان نہ دھرو اور شور کرو، تاکہ تمہاری آواز اس کو دبا دے) کی تفسیر سامنے آگئی، ایک جگہ میں نے ممانعت کے باجود (علامہ) اقبال کی طرح دو رکعت نماز پڑھ لی، عصر کی نماز کا وقت تھا، ہم لوگوں نے باہر نکل کر مسجد کے صحن میں اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، اور شہر کے بہت سے مسیحی باشندے تعجب کے ساتھ اس منظر کو دیکھتے رہے۔‘‘

(کاروانِ زندگی ص۴۹۱، طبع کراچی)

## یخ بستہ رات اور ایک حدیث کا مذاکرہ

امام ابوعبداللہ شمس الدین الذہبیؒ المتوفیٰ ۷۴۸ھ رقمطراز ہیں۔

’’علی بن الحسن بن شقیق ؒ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن المبارکؒ کے ساتھ ایک ٹھنڈی رات کھڑا رہا، تاکہ وہ مسجد سے نکلیں اور دروازے کے پاس میرے ساتھ ایک حدیث کا مذاکرہ کریں، تو میں نے ان کے ساتھ مذاکرہ کیا، یہاں تک کہ مؤذن آگیا اور اس نے فجر کے لئے اذان دی۔‘‘

(تذکرۃ الحفاظ عربی ج۱ ص۲۷۷، طبع ہند)

## فتنوں کے جانچنے میں عالم اور جاہل کا فرق

امام ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الزہری البصری المکیؒ المتوفیٰ ۲۳۰ھ لکھتے ہیں۔

’’اِنَّ هٰذِهِ الْفِتْنَةَ اِذَا اَقْبَلَتْ عَرَفَهَا كُلُّ عَالِمٍ وَاِذَا اَدْبَرَتْ عَرَفَهَا كُلُّ جَاهِلٍ۔‘‘

’’حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا بے شک یہ فتنہ جب آتا ہے تو اسے ہر عالم (ابتداء میں ہی) جان لیتا ہے اور

جب وہ پشت پھیر کر چلا جاتا ہے تو (آخر میں) اسے ہر جاہل (بھی) جان لیتا ہے۔''

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد عربی ج ۷ ص ۱۶۶، طبع بیروت)

## علم سقراط کی نظر میں

جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا الحاج محمد حبیب اللہ خان شروانیؒ رقمطراز ہیں۔

''سقراط کا مقولہ ہے کہ میرے علم کی معراج یہ ہے کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مجھ کو کچھ نہیں آتا۔''

(علمائے سلفؒ و نابینا علماء ص ۴۸، طبع لاہور)

## زندہ انسان کے تین معرکے

علامہ امام شیخ ابوالمواھب عبدالوہاب بن احمد شعرانی شافعیؒ المتوفیٰ ۹۷۳ھ رقمطراز ہیں۔

''ابراہیم زیاتؒ جب کسی کو جنازہ میں روتے دیکھتے تو فرماتے تھے کہ بھائی اپنی حالت پر روؤ (مردہ پر نہ روؤ بلکہ) اس کے لئے دعائے رحمت کرو، کیونکہ یہ تین معرکوں سے نجات پا چکا ہے۔

☆ ایک یہ کہ اس نے ملک الموت کو دیکھ لیا ہے۔ ☆ دوسرے موت کی گرمی کا مزہ چکھ لیا ہے۔

☆ تیسرے سوئے خاتمہ سے بے کھٹکے ہو گیا۔

بخلاف تمہارے (تمہارے لئے یہ تینوں مرحلے باقی ہیں)۔''

(اَحوالُ الصَّادقین ص ۳۰۸، مترجم مولانا حبیب احمد کیرانی، طبع ملتان)

## تین مشکل ترین اعمال

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبھانیؒ المتوفیٰ ۴۳۰ھ لکھتے ہیں۔

''حضرت حسینؓ اپنے والد حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا، اشــد الاعــمـال ثـلٰثة سخت ترین اعمال تین ہیں۔

(۱) اعطاء الحق من نفسك، اپنی طرف سے حق کا اداء کرنا۔

(۲) وذکر اللّٰه علٰی کل حال، ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا۔

(۳) ومواساة الاخ فی المال، اور مال میں سے بھائی کے ساتھ غمخواری کرنا۔''

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء عربی ج ۱ ص ۸۵، طبع بیروت، لبنان)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

# مشکلات اور مصائب

برادرانِ ملّت! یہ درست ہے کہ آپ کے سامنے مشکلات اور پریشانیاں ہیں اور بسا اوقات مشکلات کی بے شمار فوجوں کو دیکھ کر ہم اپنے مستقبل سے مایوس ہو جاتے ہیں............لیکن مشکلات کے وقت بھی ہمارے نقطۂ نظر میں وسعت ہونی چاہئے، آپ صرف اپنے اوپر نہیں بلکہ پورے عالم انسانیت پر نظر ڈالیے، کیا دنیا میں آج کوئی زندہ قوم ایسی بھی ہے جو مشکلات میں محصور نہ ہو۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ۔ (سورہ روم)

''خود انسان کے ہاتھوں کی کرتوتوں کی وجہ سے بحر و بر خشکی اور تری میں فساد رونما ہو گیا ہے۔''

خود انسان کے غلط کارناموں نے سارے عالم انسانیت کو گرداب مصائب میں مبتلا کر دیا ہے، مصائب کی نوعیت میں بے شک فرق ہے، لیکن مصیبت سے کوئی قوم محفوظ نہیں، تاہم مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ اپنی خوش نصیبی پر ناز کریں کہ اسلام کے نظریۂ کمال نے جس طرح عیش و راحت کے وقت خاص قسم کے اخلاق کریمانہ کی دعوت دی ہے اور قوّت و طاقت کی موجودگی میں لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء کا مظاہرہ کرایا ہے۔

(حاشیہ! فتح مکہ کے بعد جب مکہ کے کفار جو تقریباً بیس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، جنگی قیدی کی حیثیت سے بارگاہِ رسالت میں پیش ہوئے تو رحمۃ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بشارت سنائی تھی لاتثریب علیکم آج کوئی ملامت کوئی شکوہ شکایت نہیں ہے، جاؤ تم سب آزاد ہو۔)

اسی طرح مصیبت و آلام کے تاریک اوقات میں بھی فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (صبر کرو جیسا کہ بڑے بڑے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا) اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے) جیسے عظیم الشان کردار و اخلاق کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ ضبط وتحمل، استقلال، عالی حوصلگی اور توجہ الی اللہ یہ ایسی طاقتیں ہیں جن کے سامنے بالآخر ہر ایک طاقت سپر ڈال دیتی ہے، یہ طاقتیں امریکہ کے ایٹم بم اور روس کے ہیڈروجن بم سے بھی ایک مومن کو بے نیاز کردیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں انہیں طاقتوں سے امداد حاصل کرنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔(سورہ بقرہ)

''اے ایمان والو! صبر حاصل کرو، صبر سے اور نماز سے۔''

دُنیا نے ایٹم کا نسخہ ضرور دریافت کرلیا اور وہ نسخہ بھی معلوم کرلیا جس سے ایٹم کی طاقت کو بے کار کیا جاسکے، لیکن افسوس کے مادی دنیا کی نگاہیں اس روحانی کیمیائی نسخہ کی صحیح حقیقت نہ معلوم کرسکیں، جس سے ضبط وتحمل اور توجہ الیٰ اللہ کی سب سے بڑی طاقتیں حاصل ہوسکیں، ایک مومن کو خوش ہونا چاہئے کہ قرآن حکیم نے یہ نسخہ بیش بہا مرحمت فرمایا ہے۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جس کو ''خشوع'' کو نسخہ کیمیا حاصل ہوجائے، اس کے لیے ''صبر وصلوٰۃ'' یعنی ضبط وتحمل اور توجہ الی اللہ بھی سہل ہوجاتا ہے۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلَاقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

''بے شک (یہ صبر وصلوٰۃ) بہت مشکل ہے مگر (یہ مشکل ان کے لیے آسان ہوجاتی ہے) جو خشوع کرنے والے ہیں جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے ربّ سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف واپس ہوں گے۔'' (سورۃ بقرۃ ع ۵)

خشوع خضوع یعنی بارگاہِ ربّ العزت میں عجز وانکسار اور حضرت حق کی جانب توجہ، وہ قیمتی جواہر ہیں جو آپ کو دنیا کا سب سے گراں قدر سرمایہ بناسکتے ہیں، یہ جواہر بے بہا آپ کو خود اپنی نظر میں بے شک ہیچ کردیں گے، لیکن دنیا آپ ہی کے لیے جھکے گی۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔(سورہ المنافقون)

''بے شک عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور اہل ایمان کے لیے۔''

بہرحال صبر وضبط ''انابتہ الی اللہ'' اور درگاہ باری میں سر نیاز جھکا کر ''اعتماد علی اللہ'' وہ گوہر وجوہر ہیں جو دشمن کو دوست، بداندیشوں کو خیر اندیش بناتے ہیں اور کج رووں کو راہ مستقیم پر گامزن کرکے خیر وبرکت کی فروانی اور امن

عام وفلاح دوام کی ضمانت پیش کرتے ہیں۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

برادرانِ ملت! بے شک مشتعل جذبات کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے لیا جائے اور بسااوقات مساوات قائم کرنے پر بھی جذبات کا اشتعال فرونہیں ہوتا، بلکہ ایک برائی کا بدلہ ہزاروں گنا برائیوں سے لیا جاتا ہے لیکن اس طرح آپ برائی کو ختم نہیں کر سکتے، اس طرح آپ گردنوں کو تو جھکا سکتے ہیں، لیکن دلوں کو رام نہیں کر سکتے، البتہ برائی اس طرح ختم ہوسکتی ہے کہ سیئہ کا بدلہ حسنہ سے دیا جائے، اگر چہ یہ بہت مشکل ہے، مگر قلوب کو اسی طرح مسخر کیا جاتا ہے اور سچے مشن کو کامیاب کرنے کی یہی صورت ہوا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِی بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ وَ مَایُلَقّٰهَا اِلَّاالَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ مَا یُلَقّٰهَا اِلَّاذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔ (سورۃ حٰم سجدۃ)

''برائی کا جواب ایسی خصلت (اور ایسے اخلاق) سے دیجیے جو بہت ہی بہتر ہو تو دیکھو گے کہ وہ شخص کہ تمہارے اور اس کے درمیان عداوت ہے، وہ گویا سرگرم دوست ہو جائے گا، یہ بات انہیں کو ملتی ہے جو ضبط اور برداشت رکھتے ہیں اور یہ بات انہیں کو نصیب ہوتی ہے جو جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لاتکونوا اِمَّعَةً تقولون ان احسن الناس احسنا وان ظلموا ظلمنا ولکن وَطِّنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤا فلا تظلموا۔ (ترمذی شریف)

''تم عوام کی بھیڑ کے تابع مت بنو کہ تم بھی یہی اصول بنالو کہ اگر لوگ اچھا کرتے ہیں تو تم بھی اچھا کرو اور ظلم کرتے ہیں تو تم بھی ظلم کرنے لگو بلکہ اپنے نفسوں کو اس کا عادی بناؤ کہ اگر لوگ اچھا کریں تو تم احسان کرنا اور لوگ ظلم کرنے لگیں تو تمہاری طرف سے کوئی ظلم نہ ہو۔''

برادرانِ ملّت ''صبر'' سے میری مراد بزدلی اور نامرادی نہیں ہے، بلکہ انتقامی طاقت ہوتے ہوئے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی پیشکش، سیئہ کے مقابلہ میں حسنہ کا مظاہرہ، انتقام کے جواب میں عفو اور درگزر مراد ہے جو بزدل نہیں بلکہ مرد بہادر ہی پیش کر سکتا ہے۔

عزیزانِ محترم! جو مشکلات آپ کے سامنے ہیں، وہ آپ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں آئیں، آپ کی تاریخ تو مشکلات کی نہ ٹوٹنے والی زنجیر ہے، آپ ہمیشہ مشکلات کا مقابلہ کرتے رہے ہیں اور آپ کا استقلال واستقامت اور آپ کے حسنِ اخلاق مشکلات کو آسان کرتے رہے ہیں، اگر آپ کا نصب العین صحیح ہے اور آپ حق وصداقت کی مشکلات میں مبتلاء ہیں............آپ یقین رکھیے نصرت الٰہی آپ کی رفیق ہوگی اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی، اللہ تعالیٰ کا بہت مستحکم اعلان ہے۔

وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (سورہ روم) ''ہم پر لازم ہے امداد اہل ایمان کی۔''

حضرت حق جل مجدہٗ کا پختہ وعدہ ہے۔

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔(سورہ حج)

''اللہ تعالیٰ یقیناً مدد کرے گا، ان کو جو اللہ کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ صاحب قوت ہے غالب ہے۔''

مشکلات مایوسی کی چیز نہیں ہے، زندگی کی علامات ہیں، مردہ قومیں مشکلات میں مبتلا نہیں ہوتیں، کیونکہ ان کا کوئی اجتماعی نصب العین نہیں ہوتا، روحِ ارتقاء ان کے قالب سے فنا ہوچکی ہے، لیکن زندہ قومیں آزمائی جاتی ہیں اور مردانہ وار مشکلات کا مقابلہ کیا کرتی ہیں، مشکلات زندگی کا خاصہ ہیں۔ چنانچہ زندہ قوموں ہی کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ۔

''ہم تم کو آزمائیں گے کسی قدر خوف، بھوک، جان، مال اور پیداوار کے نقصان میں مبتلا کر کے۔'' (سورہ بقرۃ)

غرض مشکلات مایوسی کی چیز نہیں بلکہ بسا اوقات مشکلات روشن مستقبل کا طالع نیک ہوا کرتی ہیں، البتہ ایک شرط ہے کہ ہمارے اعمال میں خلوص اور مقاصد میں للّٰہیّت ہو۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكَمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۔(سورہ محمد)

''اگر تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔''

......☆......☆......☆......☆......

[خطاب] مولانا محمد فیاض خان سواتی
[ضبط وترتیب] محمد حذیفہ خان سواتی

# انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجوہات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًاo

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

محترم حاضرین و برادران اسلام وخواتین محترمات!

## تمہید

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم پندرہویں پارہ میں سے ”سورۃ بنی اسرائیل“ کی آیت نمبر ۷۰ تلاوت کی ہے، اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سے انسان کو جو عزت اور شرف بخشا ہے، اس کی کچھ وجوہات بیان فرمائی ہیں، وہ عزت اور شرف اللہ کے احسان کے ساتھ ہے اور اللہ کی طرف سے اس احسان پر کچھ تقاضے ہیں، جو ہمیں پورے کرنے ہیں، غرض یہ کہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اس پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن کا اللہ کی طرف سے تقاضا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں بنیادی طور پر یہی بات بیان فرمائی ہے، جو میں آج آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے اس آیت کا ترجمہ ومفہوم عرض خدمت ہے۔

## تلاوت کردہ آیت کا ترجمہ ومفہوم

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اور البتہ تحقیق ہم نے عزت بخشی ہے آدمؑ کی اولاد کو، یعنی تمام انسانوں کو۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ عزت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ۔ (آل عمران۔۲۶) تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہے ذلیل کرتا ہے۔ تو ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے، تکریم عطا کی ہے اور اس عزت کی وجہ سے ہم نے اس کو کچھ بڑی مخصوص چیزیں عطا کی ہیں، ان میں سے چند کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں، جبکہ باقی کا قرآن کریم کے دوسرے مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔

وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور دوسری بات یہ کہ اس عزت بخشنے کے ساتھ ہم نے اُن کو سمندر میں بھی اور خشکی میں بھی سواری مہیا کی ہے، انسان دنیا میں عزت کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہے تو اس کیلئے زمین پر سواری، پیدل یا گاڑیوں وغیرہ کی صورت میں اور سمندر میں کشتیوں اور بحری جہازوں کی صورت میں مہیا کی، دوسرے مقام میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہوا کے مسخر کرنے کا ذکر بھی فرمایا ہے، اس میں فضائی سفر ہوائی جہاز وغیرہ بھی آجاتا ہے، یہ کس وجہ سے ہے؟ یہ انسان کی عزت کے باعث ہے، وگرنہ دنیا میں جو جانور ہیں، درندے ہیں، پرندے ہیں، اُن کیلئے کوئی سواری نہیں ہے، نہ سمندر میں اور نہ خشکی میں، ان کو خود ہی چلنا پڑتا ہے بلکہ ان پر سواری کی جاتی ہے، یہ انسان پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

تیسری بات اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمائی وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا ہے۔ انسان کیلئے طیبات یعنی عمدہ اور پاکیزہ چیزیں ہیں، اس دنیا میں جتنی بھی چیزیں ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کیلئے پیدا کی ہیں، لیکن کچھ چیزوں پر پابندیاں بھی لگائی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، یہ طیب ہے اور یہ خبیث ہے، طیب اس کو کہتے ہیں جو شریعت میں ممنوع نہ ہو، اس کی طرف فطرت سلیمہ راغب ہو، وہ عمدہ ہو اور اس میں کوئی خرابی وغیرہ نہ ہو، تو فرمایا کہ ہم نے رزق دیا ہے، اس وجہ سے انسان کا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس کی دنیا میں نقل وحرکت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، کیونکہ سواری اسی نے مہیا کی ہے، آدمی بڑی بڑی سواریاں حاصل کرتا ہے کہ ایکسیڈنٹ نہ ہو، لیکن یہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور پھر یہ بات بھی صاف کردی کہ رزق ہم دیتے ہیں، جس پر اللہ کا فضل ہوگا اس کو رزق ملے گا، کسی کو وسیع ملے گا، کسی کو متوسط ملے گا، کسی کو کم ملے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ

الدُّنیَا o(الزخرف ۔۳۲) ہم نے تقسیم کی ہے ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں، یہ اس کی حکمت پر منحصر ہوتا ہے، اگر کسی کو کم ملا ہے تو اس پر واویلا نہیں کرنا چاہئے، نہ جانے اس میں اللہ کی کیا حکمت پوشیدہ ہے، جس کا ہمیں پتہ ہی نہیں ہے، بسا اوقات انسان کو کم رزق ملتا ہے تو وہ خدا کا شکر ادا کرتا رہتا ہے، جبکہ اکثر آپ نے دیکھا ہے کہ جس کو رزق کی فراوانی ملتی ہے وہ نافرمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ رزق کو غلط، ناجائز اور حرام کاموں میں استعمال کرتا ہے، وہ ناشکرا ہو جاتا ہے۔

چوتھی بات اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمائی وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا اور ہم نے جتنی کثیر مخلوقات پیدا کی ہیں، ان تمام مخلوقات میں سے انسان کو سب سے زیادہ فضیلت عطا کی ہے۔

## فضیلت عامہ وخاصہ

فضیلت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک فضیلت عامہ، جو تمام انسانوں کو حاصل ہے، اور ایک فضیلت خاصہ ہوتی ہے جو تمام انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ فضیلت عامہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے جب انسان کو پیدا کیا ہے تو سب انسانوں کو بحیثیت انسانیت کے رزق دیتا ہے، چاہے وہ مسلمان ہے یا کافر ہے، جوان ہے یا بوڑھا ہے، مرد ہے یا عورت ہے، نافرمان ہے یا فرمان بردار، یہ اس کی فضیلت عامہ ہے کہ وہ سب کو عطا کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات اہل ایمان کو کم اور دوسروں کو زیادہ دیتا ہے۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا ہے، ہر ایک کو آنکھ دی، چاہے مسلمان ہے یا کافر ہے، کان دیے، کوئی نافرمانی کرنے والا ہے یا فرمان بردار ہے، اللہ کے ایسے انعامات گنتے چلے جائیں، آپ شمار نہیں کر پائیں گے، یہ فضیلت عامہ ہے۔

فضیلت خاصہ سب انسانوں کو حاصل نہیں ہوتی، وہ انسانوں میں سے بعض کو حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی درجہ بدرجہ ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ مخلوقات میں سب سے زیادہ فضیلت انسانوں میں سے انبیاءؑ کو حاصل ہوتی ہے، اور پھر درجہ بدرجہ دیگر لوگوں کو، اللہ نے قرآن کریم میں اس کی ترتیب بھی ذکر فرمائی ہے، جن میں انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں اور صالحین ہیں، جن پر انعام کیا گیا ہے۔

## فضیلت خاصہ کی بنیادی وجہ

اس کی وجہ کیا ہے؟ جو خاص فضیلت ہوتی ہے اس میں سب سے پہلی بات ایمان ہے، جب کوئی ایمان لے آئے گا تو اس کو دیگر مخلوقات سے برتری حاصل ہو جائے گی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدۂ الست کے بارے میں فرمایا

کہ جب تمام روحیں پیدا کی تھیں تو اس وقت سب سے ایک وعدہ لیا تھا، پوچھا تھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ، قَالُوْا بَلٰی۔ (الأعراف۔۱۷۲) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا کیوں نہیں۔ وہاں سب نے وعدہ کیا، لیکن دنیا میں آ کر بعض نے اس کو قبول کیا اور بعض نے انکار کر دیا۔ الغرض! ایمان اور توحید سب سے بڑی چیز ہے، پھر اس کے ساتھ درجہ بدرجہ اور چیزیں بھی ہیں۔ انسان کی فضیلت کی یہ چار وجوہات تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں، میں تفہیم کیلئے مزید عرض کرتا ہوں۔

## فضیلتِ انسانی کی وجوہاتِ اربعہ امام ولی اللہؒ کی نظر میں

ہمارے برصغیر میں اسلام کے سب سے بڑے فلاسفر حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتابوں حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں فلسفہء اسلام کو بیان کیا ہے، جن میں انہوں نے سمجھانے کیلئے انسان کی فضیلت، تکریم اور شرف کے بارے میں چار باتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیگر مخلوقات پر جو فضیلت بخشی ہے اس کی چار بنیادی وجوہات ہیں، اگر ہم ان کو سمجھ لیں تو پتہ چل جائے گا کہ ہم کیوں اشرف اور افضل ہیں، پھر اس بابت حضور نبی اکرمؐ کا ایک فرمانِ مبارک بھی عرض کروں گا۔

### [۱] جسمِ انسانی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی فضیلت اور تکریم کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو وجود اور جسم دیا ہے۔ اللہ کی بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جن کو ظاہری وجود نہیں دیا، جیسے فرشتے اور جنات وغیرہ، انسان خود بھی دیکھ سکتا ہے اور دوسرے بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں، یہ انسان کی عزت کی بہت بڑی بات ہے۔ پھر جو سب سے بڑا انعام ہے وہ یہ ہے کہ انسانی مخلوق کے جو باپ ہیں حضرت آدمؑ، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ (صٓ۔۷۵) میں نے اپنے ہاتھوں سے آدم کو پیدا کیا ہے۔ بنسبت دوسری مخلوقات کے، ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا ہو، بلکہ باقی تمام مخلوقات کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ کُنْ بن جا فَيَكُوْن تو وہ بن گئے، یعنی ان کی تخلیق صرف آرڈر سے ہوئی، اس لیے سب سے اعلیٰ وجود اور جسم انسان کا ہے، یہ شرف انسان کو ہی حاصل ہے کہ اس کی بنیاد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے، نیز یہ وجود جو ہمیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اس کی تمام مخلوقات میں سے سب سے

زیادہ خوبصورت بھی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ (التین ۔۴) ہم نے انسان کو بہت اچھی ساخت میں پیدا فرمایا۔ اس کی مخلوقات میں سے انسان جتنی اچھی اور خوبصورت ساخت والا کوئی نہیں ہے، یہ ٹانگوں پر چلتا ہے، باقی اکثر جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں، یہ خوبصورتی بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ ہم انسان جب بدصورتی کی بات کرتے ہیں تو دوسری مخلوقات کی مثالیں دیتے ہیں، کسی کو طعنہ دینا ہو تو کہتے ہیں او فلاں جانور کی شکل والے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو آواز دی تو وہ بھی خوبصورت دی، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔ (لقمان ۔۱۹) گدھے کی آواز سب آوازوں میں سے بری ہے، اور انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کمال کی آواز عطا فرمائی ہے، غرضیکہ انسان کا جسم اور وجود اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی فضیلت کی سب سے پہلی وجہ ہے لہٰذا اس کی قدر کرنی چاہئے، جو اللہ کے تقاضے ہیں، جو اس نے اپنے نبی کے ذریعے بیان فرمائے ہیں اور جن کا شریعت کے حوالے سے ہم سے مطالبہ کیا ہے ان کو پورا کرنا چاہئے، حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا جب حشر کا میدان ہوگا، انسان سے سوالات ہوں گے تو ان میں سے ایک سوال یہی ہوگا وَعَنْ جِسْمِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ انسان کے جسم کے بارے میں سوال ہوگا اس دنیا کی زندگی میں اس جسم کو کہاں بوسیدہ اور استعمال کیا، صحیح کاموں میں یا غلط کاموں میں، صحیح جگہ میں یا غلط جگہ میں، اس سوال کا جب تک جواب نہیں دے گا اس وقت تک آگے قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا، تو یہ جسم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انسان کے افضل اور مکرم ہونے کی سب سے بڑی وجہ ہے، لہٰذا اس کی قدر کرنی چاہئے۔

### [۲] روحِ انسانی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی تکریم اور عزت کیلئے جو دوسرے نمبر کی بڑی بات ہے وہ روحِ انسانی ہے، روح دیگر مخلوقات میں بھی ہے، لیکن مکلّف ہونے کے لحاظ سے انسان کی روح بڑی اہم ہے۔ جس طرح انسان کے لیے اپنا ظاہری وجود صاف ستھرا رکھنا ضروری ہے اسی طرح روحانی طور پر پاکیزگی حاصل کرنا بھی نہایت ضروری ہے، حضورؐ نے فرمایا اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ طہارت، پاکیزگی، صفائی نصف ایمان ہے، یہ اس وقت مکمل ہوتی ہے جب انسان اپنے ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بھی پاک کرے، اس کی فکر پاک ہو، اس کا عقیدہ صحیح ہو، اس کا عمل درست ہو تو پھر طہارت ہوگی، آپ دیکھتے ہیں کافروں کی ظاہری طور پر بڑی پرسنائلٹی ہوتی ہے، عمدہ پرفیومز لگاتے ہیں، ہم سے بھی اعلیٰ کپڑے پہنتے ہیں، لیکن اندرونی طور پر وہ گندے ہیں، ان

میں روحانی طہارت نہیں ہے، فکر ناپاک ہے، عقیدہ خراب ہے، اس لیے انسان کیلئے جسم کے ساتھ اپنی روح کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

آپ جسمانی بیماریوں کے بارے میں تو سنتے رہتے ہیں، اسی طرح روحانی بیماریاں بھی ہوتی ہیں، جب کسی کو جسمانی بیماری لگتی ہے تو وہ فوراً چیک اپ کیلئے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، اپنے ٹیسٹ کراتا ہے، دوائی کھاتا ہے اور اپنا بہتر سے بہتر علاج کرانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس کے اندر کوئی خرابی اور نقص نہ رہ جائے، اسی طرح روح کی بیماریاں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف انسان بالکل بھی توجہ نہیں کرتا، جس طرح ظاہری جسم کی بیماریوں کا علاج کرانا ضروری ہے، اسی طرح روحانی بیماریوں کا علاج کرانا بھی ضروری ہے، روحانی بیماریاں نظر نہیں آتیں، انسان بظاہر ٹھیک ٹھاک ہے، لیکن اندر تکبر چھپا ہوا ہے، جو کسی کو نظر نہیں آتا، انسان بظاہر بالکل صحیح ہے، لیکن اندر حسد ہے، جتنی بھی اس قسم کی پوشیدہ چیزیں ہیں، یہ روحانی امراض ہیں، ان کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں ہوتا، ان کا علاج قرآن، حدیث اور شریعت اسلامیہ کے ذریعے ہوتا ہے، جس کے لیے ان کے ماہرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جیسے جسمانی بیماری لاحق ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، اگر اس قسم کی بیماری پیدا ہو تو قرآن کیا کہتا ہے، اس کو کیسے ختم کرنا اور اس کا علاج کیسے کرنا ہے، لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، اپنے نفس کی ظاہری اصلاح تو ہم کرتے ہیں لیکن باطنی اصلاح نہیں کرتے۔

انسان جسم اور روح کا مرکب ہے، جب تک روح انسان کے اندر ہوتی ہے تو وہ زندہ انسان کہلاتا ہے، روح نکلے تو انسان مردہ ہو جاتا ہے، اس کو پھر کوئی ایک دن کیلئے بھی گھر میں رکھنے کیلئے تیار نہیں ہوتا کہ بدبو پیدا ہو جائے گی، تعفن پیدا ہوگا، بیماریاں آجائیں گی، اس لیے جلد از جلد اور فوراً دفن کرتے ہیں، یہ روح اتنی اہم چیز ہوتی ہے، لیکن ہماری اس کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں ہوتی، بہرحال یہ ایک طویل موضوع ہے، میں صرف یہ بات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو جو شرف بخشا ہے، اس میں سب سے پہلی چیز انسان کا وجود ہے اور دوسری اس کی روح ہے۔

### [۳] ملکیت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں تیسری چیز مَلکیت ہے، یعنی فرشتوں جیسی صفات، اللہ نے تین بڑی مخلوقات پیدا کی ہیں، ایک تو فرشتے ہیں جن میں گناہ کا مادہ ہی پیدا نہیں کیا، وہ گناہ کرتے ہی نہیں ہیں،

دوسری بڑی مخلوق جنات اور شیاطین ہیں، ان میں گناہ کا مادہ بھی پیدا کیا ہے، لیکن ان کو ظاہری وجود نہیں دیا، ان کو آگ سے اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری چیزیں دے دیں، اس کو وجود بھی دے دیا، اس میں شیطانوں جیسی صفات بھی پیدا کر دیں اور فرشتوں جیسی صفات بھی اس کو عطا کر دیں، یہ بھی اس کے افضل ہونے کی ایک وجہ ہے، اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک چوتھی چیز بھی دے دی ہے جو دیگر مخلوقات کو نہیں دی، وہ عقل ہے، جس سے یہ ممتاز ہوگا اور مخلوقات میں اس کے درجات ہوں گے۔ جانوروں اور دیگر مخلوقات میں عقل نہیں ہے، اس وجہ سے مخلوقات میں جن کو عقل دی گئی ہے ان کو مکلّف بنا دیا گیا ہے، یعنی انسان اور جن، تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور عزت کا مقام ہے کہ اس نے فرشتوں جیسی صفات بھی ہم میں رکھی ہیں، اب عقل کے ساتھ ان کو استعمال کرنا ہمارا کام ہے، اگر ہم ان کو صحیح استعمال کریں گے تو ہمارا مقام فرشتوں سے بھی آگے ہو جائے گا، اور اگر ہم ان کو غلط استعمال کریں گے تو ہمارا مقام شیاطین سے بھی نیچے چلا جائے گا، یہ اللہ کی طرف سے آزمائش بھی ہے، اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الملک۔۲) اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے اعمال کون کرتا ہے۔ چنانچہ یہ سب چیزیں عطا کرنے کے ساتھ عقل بھی دی ہے اور فرمایا وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ۔ (البلد۔۱۰) اور ہم نے انسان کو دو راستوں کی راہنمائی بھی کر دی ہے کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے، اب تم نے عقل سے کام لے کر چلنا ہے۔

## [۴] محبتِ الٰہی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اور تکریم کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو محبتِ الٰہی عطا فرمائی ہے، باقی چیزیں تو دیگر مخلوقات کو بھی دی ہوئی ہیں، لیکن دو اہم چیزیں، عقل و فکر اور شعور دیا ہے، اس کے ساتھ اللہ نے اپنی محبت بھی اس کو عطا کی ہے، یہ انسان ہی ہے جو خدا کے ساتھ محبت کرتا ہے، باقی مخلوقات کو تو عقل ہی نہیں ہے، وہ تو بس کھاتے پیتے ہیں اور جو ان کے کام ہیں وہی کرتے ہیں، چنانچہ محبت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہر حکم مانا جائے، انسان جس کے ساتھ محبت کرتا ہے، اس کے ہر حکم کو ماننے کیلئے تیار ہوتا ہے، اُس کے نازنخرے اٹھاتا ہے، ہمہ وقت اس کی ہر بات ماننے کیلئے مستعد رہتا ہے، اسے فکر لاحق رہتی ہے کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ وہ ناراض ہو جائے، انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محبت الٰہی عطا فرمائی ہے لیکن یہ قدم قدم پر اس کی نافرمانی کرتا ہے، لیکن وہ مالک ہے، ڈھیل دیتا رہتا ہے۔

الغرض، یہ چار چیزیں انسان کی تکریم اور تشریف کیلئے ہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ارشاد فرمائی ہیں، اس میں انہوں نے ہر چیز سمیٹ کر رکھ دی ہے۔

## فضیلتِ انسانی کی وجوہات امام ابوحنیفہؒ کی نظر میں

جو میں نے آیت تلاوت کی ہے مفسرین کرامؒ اس کے تحت یہ بحث چھیڑتے ہیں کہ اللہ کی مخلوقات میں سے افضل کون ہیں، انسان، فرشتے، جنات یا شیاطین؟ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکار اس بارے میں ایک عقیدے کی بات فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ انسانوں کے جو رسول ہیں وہ فرشتوں کے رسولوں سے افضل ہیں، انسانوں کے رسول ہمارے انبیاء کرامؑ ہیں، جو ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش ہیں، اور فرشتوں کے رسول حضرت جبرائیلؑ اور حضرت میکائیلؑ ہیں، وہ اللہ کے نمائندے اور قاصد ہیں اور اپنے اپنے کام انجام دیتے ہیں، انبیاء کے علاوہ دیگر اہل ایمان جتنے بھی ہیں، وہ سارے رسول فرشتوں کے علاوہ عام فرشتوں سے افضل ہیں، اور دنیا میں جتنے کافر لوگ ہیں، جو خدا کو نہیں مانتے، اُن سب سے فرشتے افضل ہیں، یہی ملکیت اور بہیمیت کی بات ہے کہ فرشتوں کی صفات جس میں پیدا ہو جائیں گی وہ فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہوگا، حضور نبی اکرمؐ جب معراج میں تشریف لے گئے، سدرۃ المنتہٰی میں پہنچے تو جبرائیلؑ ساتھ تھے، سارے سفر میں راہنمائی کرتے رہے، لیکن وہاں پہنچ کر جب حضرت جبرائیلؑ سے حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ آگے چلیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ایسا مقام آ گیا ہے کہ یہاں سے آگے چلوں گا تو میرے پر جلنے لگیں گے، بس میرا اسٹاپ یہی ہے، آگے آپ اکیلئے ہی جا سکتے ہیں، یہ ہے فرشتوں سے آگے ہونے والی بات، جہاں فرشتے بھی جا کر اسٹاپ کر دیتے ہیں وہاں سے انسان آگے جاتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی یہ باتیں تلاوت کردہ آیت میں بیان فرمائی ہیں۔

## فضیلتِ انسانی کی سب سے اہم وجہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں

حضور نبی اکرمؐ کے ایک فرمانِ مبارک کی روشنی میں بھی اس کی وجہ بیان کرنا چاہتا ہوں، امام طبرانیؒ بہت بڑے محدث ہیں، ان کی حدیث کی کتاب ہے ''المعجم الکبیر للطبرانی''، انہوں نے حضور نبی اکرمؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی ایک روایت نقل کی ہے، جس کو بہت بڑے مفسر، محدث اور مؤرخِ اسلام امام ابن کثیرؒ نے اپنی قرآن کریم کی تفسیر میں نقل کیا ہے، جناب رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقع پر فرشتوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ باری تعالیٰ یہ انسان جو تیری مخلوق ہے، اس کو تو نے پیدا کیا ہے، ان کیلئے

تو نے دنیا بنائی ہے، اس موقع پر انہوں نے تین چیزوں کا ذکر کیا کہ وہاں یہ کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں اور لباس بھی پہنتے ہیں، یہ تین اہم ترین چیزیں ہیں، یہی انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں، کہنے لگے کہ ہم تیری مخلوق ہیں، وَنَحْنُ نُسَبِّحُكَ ہم تیری تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں، فرشتوں کا کام یہی ہے ہر وقت تسبیح بیان کرنا، انہوں نے کہا کہ نہ ہم کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ ہم کھیل کود کرتے ہیں، انسان کھیل کود بھی کرتے ہیں، ان کو دنیا میں یہ سب کچھ حاصل ہے، باری تعالیٰ جیسے ان کیلئے تُو نے دنیا بنائی ہے، ہمارے لیے اس طرح آخرت بنا دے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو جواب ان کو دیا، وہی میں عرض کرنا چاہتا ہوں جو میرے موضوع سے متعلق ہے، فرمایا کہ یہ جو مخلوق ہے یہ اُس صالح شخصیت کی اولاد ہے، یعنی حضرت آدمؑ کی، جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، جبکہ تم وہ مخلوق ہو جن کے بارے میں میں نے کہا كُنْ فَيَكُوْن، بن جاؤ تو تم بن گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اس صالح شخصیت کی اولاد کو جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے، ان پر میں کیسے فضیلت دے دوں جن کو میں نے صرف کہا بن جاؤ اور وہ بن گئے، یہ ہے انسانوں کی فضیلت، اب یہ فضیلت والا انسان مرد ہو یا خاتون، اس دنیا میں وہی ہو گا جو اللہ کے حکم کی صحیح طور پر پیروی کرے گا، اس کے انبیاءؑ کے احکام کی تعمیل کرے گا، اس کی کتابوں کو مانے گا، فرشتوں پر ایمان رکھے گا اور نیک اعمال انجام دے گا۔

## انسانوں کی بے حسی

حقیقت یہ ہے کہ ہم انسانوں نے نہ اپنے آپ کو سمجھا ہے، نہ اپنی تخلیق کو سمجھا ہے، نہ اپنے مالک کو سمجھا ہے، اسی لیے ہم ذلیل ہو رہے ہیں، آج انسان کی نظر میں انسان کی کوئی قدر نہیں، جس کو اللہ نے اتنا شرف بخشا ہے، دنیا میں قتل و غارت گری ہو رہی ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مار رہا ہے، اسی ہفتے اسلام آباد میں ایک نوجوان کو قتل کر دیا گیا، دینی کام کرتا تھا، اسے گھر سے بلا کر مار دیا گیا، ۲۱ سال کا تھا، مارنے والا کون ہوگا؟ ہماری ہی سوسائٹی کا کوئی آدمی ہوگا، اس نے مال یا کسی اور چیز کی لالچ میں ایسا کیا ہوگا، انسان کتنا بھی گناہ گار کیوں نہ ہو، کوئی آدمی اس کو نہیں مار سکتا، اللہ نے اس کیلئے حدود و تعزیرات رکھی ہیں۔

میں نے ایک خبر پڑھی ہے، ہم انسان اتنے جذباتی ہو گئے ہیں کہ صوبہ خیبر پختونخواہ میں گزشتہ ماہ اعتکاف میں بیٹھے ہوئے دو آدمی آپس میں لڑ پڑے اور ایک نے دوسرے کو گھر سے پستول منگوا کر قتل کر دیا، ہم اس قدر جذبات میں آ گئے ہیں، ہمیں اپنا شعور نہیں رہا، جب تک یہ شعور پیدا نہیں گا، اس وقت تک انسان اپنے آپ کو نہیں

پہچانے گا، اپنے خدا کو نہیں پہچانے گا، اپنے نبی کو نہیں پہچانے گا، اپنی شریعت کو نہیں پہچانے گا، اور اپنے دین کو نہیں پہچانے گا، تو عمل کا راستہ بھی نہیں کھلے گا، لہٰذا ہر مسلمان مرد اور خاتون کو اپنے آپ کو پہچاننا چاہئے کہ ہم کیا ہیں، اللہ نے ہمیں کیوں فضیلت بخشی ہے، ہم سے وہ کیا تقاضا کر رہا ہے، جب ہم وہ تقاضے پورے کریں گے تو ہم فرشتوں سے بھی آگے نکل جائیں گے، وگرنہ ہم نچلوں سے بھی نیچے چلے جائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنے آپ کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنے مالک کو سمجھنے کی بھی توفیق نصیب فرمائے۔

## چند اہم دینی مسائل

[س ا] یہ صاحب پوچھ رہے ہیں کہ جو لوگ گلی کے چوک میں آدھ پاؤ ماش اور ایک انڈا یا ایک پاؤ ماش اور دو انڈے رکھ جاتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے، جائز ہے یا ناجائز، کوئی اس کو اٹھا کر اپنے پرندوں کو ڈال دے تو اس کا کیا حکم ہے، تفصیل سے بیان فرمائیں۔

[ج] بھئی! یہ توہمات ہیں، جو ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں کہ ہم ایسا کریں گے تو ایسا ہوگا، میں نے پہلے بھی بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ پرندے اور جانور جو انسان نے اپنے پاس قید کیے ہوئے ہیں، ان کی خوراک کی ذمہ داری اس کی ہے، نہیں دے گا تو پکڑا جائے گا، جو آزاد ہیں ان کی ذمہ داری ہماری نہیں ہے، وہ اللہ کے ذمے ہیں، ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی میں جو انسان بھوکے ہیں ان کی مدد کریں، پڑوسی تو بھوک سے مر رہا ہے لیکن ہم چوک میں جا کر انڈے رکھ رہے ہیں، کسی بیوہ کو دو، کسی یتیم کو دو، کسی مدرسے کو دو اور مال صحیح ٹھکانے پر لگاؤ، پرندے اور جانور ہماری ذمہ داری نہیں ہیں، یہ سراسر توہمات ہیں، آج کل عامل لوگوں نے قوم کو توہمات میں ڈال دیا ہے، کوئی کہتا ہے کہ تم دس کلو گوشت دریا میں ڈال دو، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، کیا فائدہ؟ دریا میں ڈالنے سے کیا ہوگا؟ اس مخلوق کی ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر ڈالی ہی نہیں، نہ ہم پوری کر سکتے ہیں، اس پر حضرت سلیمانؑ کا ایک واقعہ ہے، دنیا میں سب سے بڑی بادشاہی اللہ نے انہیں ہی دی تھی، انہوں نے ایک دفعہ اللہ سے درخواست کی کہ مخلوقات کی ایک دن کے کھانے کی دعوت میں کرنا چاہتا ہوں، مجھے اجازت دیں، اللہ نے کہا ٹھیک ہے، انہوں نے مہینہ بھر دسترخوان تیار کروایا، اس پر ساری چیزیں رکھیں، وہ جنوں سے بھی کام کرواتے تھے، سب پر ان کا آرڈر چلتا تھا، چنانچہ ایک مہینہ دسترخوان تیار کیا گیا، عرض کیا باری تعالیٰ دعوت تیار ہوگئی ہے، اپنی مخلوق کو بھیج دو، فرمایا ہوگئی تیار؟ کہا ہاں، بحرِ محیط گہرے سمندر سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک وہیل مچھلی سے کہا کہ چل آج

تیری دعوت سلیمان کے پاس ہے، اس نے ذمہ داری اٹھائی ہے، وہاں سے ایک وہیل مچھلی نکلی، شروع سے کھانا شروع ہوئی اور آخر تک سارا کھانے کے بعد کہنے لگی کہ اور لاؤ بھائی، میں ابھی سیر نہیں ہوئی، سلیمانؑ نے کہا کہ میرے پاس تو اور نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سبق دینا تھا، وہیل مچھلی نے کہا کہ میزبان مہمان کو یہ جواب تو نہیں دیا کرتا، اس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تنبیہ بھی کی کہ یہ جو تُو نے مجھے کھلایا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اس سے زیادہ ہر روز دیتا ہے، کئی گنا دیتا ہے، آج تُو میری روزی میں رکاوٹ بنا ہے، لہٰذا جن جانوروں اور پرندوں کو گھروں میں پنجروں میں بند کیا ہوا ہے، اس کی ذمہ داری اس پر ہے، اس کو کھلائے پلائے، اگر نقص ہوا تو پکڑا جائے گا، اور جو آزاد ہیں اس کی ذمہ داری اس پر نہیں ہے۔

ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنے ضرورت مند مسلمان بہن بھائیوں کو دیں، اپنے محلے میں کسی بیوہ یا یتیم کے پاس کھانا نہیں ہے، لباس نہیں ہے اور ہم چوراہوں میں انڈے اور دیگر چیزیں ضائع کر رہے ہیں، وہ کسی کے پاؤں کے نیچے روندا جائے گا اور ضائع ہوگا، ان توہمات سے نکلنا چاہئے اور صحیح بات کی طرف آنا چاہئے۔

[س۲] یہ پوچھ رہے ہیں کہ کسی آدمی کا بچہ پیدا ہوتے ہی گود لے کر اس بچے کے نام کے ساتھ اپنی ولدیت لکھنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

[ج] بھئی! بچے کی ولدیت اور نسب تبدیل نہیں ہوتا۔ ہمارے معاشرے میں یہ بات بہت چل رہی ہے، بے اولاد جوڑے بچوں کو اڈاپٹ کر لیتے ہیں، اس سے ان کے اصل والدین تبدیل نہیں ہوتے، تمام شرعی احکام اصل والدین کے ساتھ چلتے رہتے ہیں، وہ بچہ انہی کا وارث ہوگا اور وہ اس کے وارث ہوں گے، جس نے لیا ہے وہ ان کے والدین کا نام تبدیل نہیں کر سکتا، یہ اللہ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے، حضور نبی اکرمؐ نے جس بچے کو گود لیا تھا، حضرت زید بن حارثہؓ حضور نبی اکرمؐ کے یہ وہ واحد جلیل القدر صحابی ہیں جن کا نام قرآن میں آیا ہے، ان کو آپ نے گود لیا تھا اور منہ بولا بیٹا بنایا تھا، وہ زید بن محمد کہلاتا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں حکم دے دیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الاحزاب۔۵) ان کو اپنے باپوں کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے ہاں زیادہ انصاف والی بات ہے۔ ان کو تم بھائی کہہ سکتے ہو، مولیٰ کہہ سکتے ہو لیکن نسب تبدیل نہیں کر سکتے۔ اس سے ان کا معاشرتی طور پر نقصان ہوتا ہے، ہمارے پاس مسائل آتے رہتے ہیں، میں ایک پہلو کی طرف توجہ دلاتا ہوں، ایسا بچہ جس کو بچپن میں گود میں لیا اور اس کا نام تبدیل کیا، جب وہ بچہ بڑا ہوتا ہے، اس کو پتہ چلتا ہے کہ یہ میرا باپ نہیں، یہ

میری ماں نہیں ہے، تو میں نے خود دیکھا ہے ایسے بیٹے کو اپنے باپ کا گریبان پکڑتے ہوئے کہ تم نے مجھے ابھی تک بتایا کیوں نہیں تھا کہ تم میرے باپ نہیں ہو اور میرا باپ فلاں ہے، اس سے ذہن پر بڑی چوٹ پڑتی ہے، بعض پاگل ہو جاتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ نے ہماری قدر ہی نہیں کی، ہم اتنے فالتو تھے، اس وجہ سے بچے کو شروع میں ہی بتا دینا چاہئے، یہ اس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، اس سے بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔

[س۳] محمد سلیم صاحب پوچھ رہے ہیں کہ ایک مسجد کے امام صاحب کی داڑھی ایک مشت سے کم ہے، ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

[ج] بھئی! اگر قدرتی کم ہے تو پڑھ لینی چاہئے، اگر جان بوجھ کر چھوٹی کرتا ہے تو شریعت میں ایک مشت سنت ہے، اس سے کم والے کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔

[س۴] یہ صاحب کہہ رہے ہیں، میرا نام عمر ہے، میری پچھلے کئی جمعوں سے جوتی گم ہو جاتی ہے اور میں ننگے پاؤں گھر جاتا ہوں، مہربانی فرما کر آپ کہہ دیں کہ جو بھی یہ کام کرتا ہے وہ باز آ جائے، میں ہر جمعے نیا جوتا نہیں لے سکتا، جہاں سے میرا جوتا گم ہوتا ہے وہاں چھوٹے سائز کا جوتا رکھا ہوتا ہے۔

[ج] بھئی! آپ حضرات میں سے ہی جو بیٹھے ہیں کوئی اٹھاتا ہے، یہاں تو بچ رہا ہے، کل خدا کے ہاں ضرور پکڑا جائے گا۔ آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں جو میرے ساتھ ہوا ہے، عید کا دن تھا، سردیوں کی عید تھی، میں عید پڑھا کر مسجد کے برآمدے میں سو گیا، نیا جوتا تھا، پہلے دن پہنا تھا، میں نے اس کو سنبھالنے کیلئے دستی رومال نکال کر اس پر رکھا اور اس کو سرہانا بنا لیا اور سو گیا، میں نے سوچا کہ کوئی اٹھا کر نہ لے جائے، نیند میں میرا سر اس سے ہٹ گیا، جب اٹھا تو جوتا غائب تھا۔ یہاں تو امام و خطیب کو کوئی نہیں چھوڑتا، آپ کو کیسے چھوڑے گا، اس وجہ سے اپنے جوتے کی خود حفاظت کریں، یہ لطیفہ بھی مشہور ہے کہ جوتا آگے رکھیں تو نماز نہیں ہوتی، پیچھے رکھیں تو جوتا نہیں ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت نصیب فرمائے، جب یہ پکڑے جاتے ہیں تو ان کا جو حشر ہوتا ہے، اس کو ذہن میں رکھیں، یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔

ایک اور بات کی طرف اشارہ بھی کروں، یہاں جو لوگ نماز پڑھنے کیلئے جوتا اتارتے ہیں، دوسرے ان کا جوتا پہن کر ادھر ادھر جا کر اتار دیتے ہیں، یہ بھی چوری ہے، کسی کا جوتا بغیر اجازت کے نہیں پہننا چاہئے، وہ تلاش کرتا رہتا ہے اور پریشان ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

[س۵] یہ صاحب مسئلہ پوچھ رہے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھتے ہیں، شلوار اوپر سے موڑ لیتے ہیں، کیا شلوار کو اوپر سے موڑنے سے نماز ہو جاتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شلوار اور قمیص کے بازو اوپر سے موڑنے سے نماز نہیں ہوتی وضاحت فرمائیں۔

[ج] بھئی! میں کئی دفعہ یہ مسئلہ بیان کر چکا ہوں، مردوں کیلئے ٹخنوں سے اوپر شلوار، پتلون، پاجامہ، تہہ بند، رکھنا ہر حال میں ضروری ہے، نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف نماز میں ہی اوپر رکھنا ہے، یہ ہر حال میں شریعت کا حکم ہے، حضور نبی اکرمؐ کا فرمانِ مبارک ترمذی شریف میں موجود ہے کہ یہ نیچے نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا جب ہر حال میں ایسا کریں گے تو نماز میں موڑنے کی ضرورت نہیں پڑے گی، اگر کسی آدمی کی پتلون بڑی ہے، وہ اس کو موڑتا ہے تو نماز کیوں نہیں ہوگی، بالکل ہوگی، یہ ویسے ہی لوگوں نے مشہور کیا ہوا ہے، اس چیز کو ختم کرنے کیلئے لوگوں نے غلط طریقہ اختیار کیا ہے، جیسے میں نے سمجھایا ہے اس طرح سمجھانا چاہئے کہ یہ ہر حال میں اوپر رکھنا چاہئے، وہ کہہ دیتے ہیں کہ نماز ہی نہیں ہوتی، یہ طریقہ درست نہیں ہے، نماز ہوگی، بلکہ شلوار اور تہہ بند سلوانے ہی اتنے چاہئیں کہ اوپر رہیں، اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے، ترمذی شریف میں ہے جناب رسول اللہؐ نے فرمایا جو تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے رکھتا ہے، وہ ٹخنے جہنم کے زیادہ لائق ہیں، یہ عام بات نہیں ہے بلکہ بڑی اہم بات ہے، یہ تکبر کی نشانی بھی ہے اور اس کے ساتھ طہارت میں بھی فرق پڑتا ہے، جب نیچے ہوگا تو کپڑا زمین پر لگے گا، اس کو کوئی پتہ نہیں چلے گا کہ اس کا کپڑا پاک ہے یا ناپاک ہے۔

## ایک بزرگ عالم دین کی رحلت

اسی ہفتے میں ہمارے گوجرانوالہ میں نوشہرہ ورکاں کے ایک بزرگ عالم، جو یہاں پڑھتے رہے ہیں، حضرت مولانا محمد یونس ماجدی، انہوں نے علاقے میں بہت دین کا کام کیا ہے، ان کے بچے بھی یہاں پڑھتے رہے ہیں، فجر کی اذان دیتے ہوئے ان کی طبیعت خراب ہوئی اور وفات پا گئے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی غلطیاں کوتاہیاں معاف فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

## دعائیہ کلمات

اشتیاق خان صاحب کہہ رہے ہیں کہ والدین کی صحت وتندرستی، عافیت اور کاروبار میں برکت کیلئے دعا فرمائیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی تمام دعاؤں کو قبول فرمائے۔ یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ میری والدہ ماجدہ اور والد

صاحب بیمار ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ صحت وتندرستی نصیب فرمائے۔ محسن صاحب کہہ رہے ہیں کہ میرے والد صاحب شدید بیمار ہیں، پٹھوں کا کھچاؤ ہے اور جسمانی کمزوری مسلسل بڑھ رہی ہے، سالہا سال سے آپ کے پیچھے ہی نماز جمعہ پڑھتے ہیں مگر اب بیماری کی وجہ سے دو جمعوں سے غیر حاضر ہیں جس کا انہیں شدید صدمہ ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ نصیب فرمائے۔ یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ میں بیمار رہتا ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بھی اور دیگر تمام بیماروں کو شفائے کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔ ہمارے دوست حاجی عبد الرزاق پراچہ صاحب کافی بیمار ہیں، ان کو کینسر ہوا ہے، بڑی تکلیف میں ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ و عاجلہ نصیب فرمائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو دین حق کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے، اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

(تاریخ خطبہ جمعۃ المبارک: ۲۱، جون ۲۰۱۹ء)

مولانا محمد زاہد انور (مصنف: "تلخیص البیان")
مہتمم جامعہ عثمانیہ، شہر ضلع جھنگ

# فکر شیخ الہندؒ ___ تحریک عزیمت کا تسلسل

مصنف "ید بیضاء" حامی عبیدی مرحوم کو داد دینی چاہئے وہ مرد قلندرانہ نظریاتی کیفیت میں مستغرق ہوتے ہوئے بھی اپنے قلب و دماغ کو یکسو کرنے میں کامیاب رہے اور پھر یہ اہم مگر تلخ حقیقت پر مبنی تجزیاتی پردہ کشائی کرنے میں ذرا بھر نہیں ہچکچائے، پڑھیے اور سر دُھنتے رہیے:

"یہ دور کسی ایک فرد کا نہیں ہے، شخصیات پرستی کا زمانہ بیت چکا ہے اور وقت نے اپنے انداز بدل لیے ہیں، تاریخ کا تیز رو دھارا اب شخصیات کی سمت سے مڑ کر اجتماعیت، ملک و ملت اور پوری انسانیت کے لیے رواں دواں ہے، تاریخ وسوانح کے فکر بدل گئے ہیں، اب کوئی انسان عظیم نہیں ہے، کوئی فرد فانی نہیں ہے اور کوئی ہستی ضروری نہیں ہے، قوم اور اجتماعیت سب کچھ ہے معاشرہ اور جماعت کو اولیت حاصل ہے اب کوئی "بڑا آدمی" اس لیے بڑا نہیں کہ وہ کسی بڑے خاندان کا فرد یا کسی بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ تاریخ اس کے بڑے پن کے لیے اس سے خدمات اور کارنامے طلب کرتی ہے جو اس نے اپنی زندگی میں اجتماعیت اور انسانیت کے لیے انجام دیے تھے۔ اور یہی ایک ایسا ترازو ہے جس کے پلڑے میں وقت کے سب سے بڑے آمر اور قاہر ہلکے رہ جاتے ہیں اور کوئی بوریا نشین، درویش تاریخ کے اس میزان کو جھکا دیتا ہے۔ دراصل یہی وہ عظیم انسان اور غیر فانی ہستیاں ہیں جن کے روشن کارنامے اور خدمات ہماری ملی تاریخ کا گرانقدر سرمایہ ہیں اور کوئی مؤرخ ان کو ملت سے علیحدہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی وہ اس سے جدا ہو سکتے ہیں۔ یہ عظیم انسان تاریخ کا ایک حصہ بن چکے ہیں، ان کی حیات جماعت کے لیے وقف تھی، جماعت ہی میں ضم ہوگئی۔

وہ اپنی ذات میں اِک انجمن تھے

بدقسمتی سے ماضی میں ہم اپنے اسلاف کو عقیدت، محبت واحترام کی جس "یک رنگی عینک" سے دیکھنے کے

عادی تھے۔ یقیناً اس سے ان کی مذہبی، دینی وروحانی کمالات کا اعتراف تو ہوتا تھا، مگر ان کی مجلسی، اجتماعی سیاسی وملی خدمات ہمیشہ عوام الناس کی نگاہوں سے اوجھل رہی ہیں۔ ہم اپنے بزرگوں کے مافوق البشر کارناموں اور کرامات پر سر دھنتے رہے مگر ان کی زندگی کے حقیقی کارناموں، معاشرہ اور ملک وملت پر ان کے اثرات کا جائزہ نہیں لیا۔ یہ ایک تاریخی سانحہ ہے جس سے ہماری تاریخ اپنے بہت سے مشاہیر کرام کی سیاسی وملی خدمات اور مجاہدانہ کارناموں کے باوجود ان کو خراجِ تحسین ادا نہیں کر سکی‘‘۔

ذرا رُکیے! اور سلسلہ وار بعض ایسے حقائق کا جائزہ لیجئے جس کے بغیر ’’فکر شیخ الہند‘‘ سے شناسائی اور شعوری آگہی مشکل ہے، اس کی پردہ کشائی اس تحریر میں ملاحظہ کریں۔ (جو جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور قدس سرہ کے جاندار تجزیہ میں موجود ہے۔ از ’ید بیضاء‘)

’’فرنگی سامراج برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں دوسو سال تک فیصلہ کن عمل دخل اور کلی اقتدار کا حامل رہنے کے باوجود وہ مقاصد کلیہ حاصل کرنے میں کیوں ناکام رہا، جن مقاصد کے حصول کی منزل سے اندلس میں اس سے بہت کم مدت میں وہ ہمکنار ہو گیا تھا؟ یہ سوال آج تاریخ کے ایک طالب علم اور ملی تحریکات کے ایک سکالر کے لیے وقت کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔ آج کے مؤرخ نے اس سوال سے پیچھا چھڑانے کے لیے جس قدر مصلحتوں، حیلوں اور لیپا پوتی سے کام لیا ہے۔ یہ سوال اس سے کہیں زیادہ شدت اور توانائی کے ساتھ اس کا دامن گیر ہے اور وہ وقت دور نہیں جب مؤرخ کو وقت کی عدالت کے کٹہرے میں سقراط کی سی معصومیت کے ساتھ سچائی کے زہر کا پیالہ پینا پڑے گا اور پھر دنیا چشمِ حیرت سے یہ نظارہ دیکھے گی کہ شخصیات وطبقات کے چہروں پر ڈالے گئے غداری ووفاداری کے جبری نقاب دائرہ جبر سے حیطۂ اختیار میں منتقل ہونے کے بعد کتنی عجلت کے ساتھ قلب مکانی کرتے ہیں۔

اس سوال کی پیچیدگی اور الجھن کا پس منظر بھی بڑا طویل مگر دلچسپ ہے۔ اور اس کی حیثیت ونوعیت کو تبدیل کرنے کی ناروا مساعی نے اس پیچیدگی اور الجھن میں چند در چند اضافہ کر دیا ہے ورنہ اگر سادہ اور فطری انداز سے اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے اور حالات کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے تو نئی نسل کو کسی الجھن کے بغیر ماضی قریب کی دوصد سالہ ملی تحریکات کے فکری وعملی عوامل ومحرکات کے ادراک سے بہرہ ور کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرنگی سامراج جسے صلیبی سامراج کے عنوان سے یاد کرنا زیادہ قرین انصاف ہوگا جن مقاصد کے لیے اس برعظیم میں وارد ہوا اور طویل ریشہ دوانیوں کے بعد اس نے یہاں کی مضبوط مُسلّم مغل حکومت کا تیا پانچہ کر کے

ایوانِ اقتدار پر قبضہ جمانا تھا وہ مقاصد کیا تھے؟ اس کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن کیا صلیبی سامراج کو برصغیر میں اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی؟ فرنگی مؤرخین برصغیر کو سیاسی، تعلیمی، تہذیبی، اقتصادی اور قانونی شعبوں میں شعور بخشنے اور ترقی سے ہمکنار کرنے کے جتنے بھی بلند بانگ دعوے کریں اور فرنگی کے چلے جانے کے بعد سیاسی، اقتصادی، انتظامی اور قانونی قوتوں کے سرچشموں پر فرنگی کی معنوی اولاد کے ناروا قبضہ کے باعث فرنگی کی فتوحات کا دائرہ جتنا بھی وسیع نظر آئے لیکن اس کی حقیقت کو جھٹلانے کا کسی کو یارا نہیں کہ برصغیر میں مضبوط ردِعمل اور ناقابل شکست رکاوٹوں کے باعث فرنگی اپنی حکمت عملی کو پچاس فی صد بھی عملی جامہ نہیں پہنا سکا۔

کیا کوئی شخص انکار کرسکتا ہے کہ ایک بے سروسامان گروہ کامل دو صدیوں تک فکر و عمل کے تمام شعبوں میں فرنگی سامراج کی تمام تر قوت وحشمت کے باوجود اس کی یلغار کے سامنے سدِ سکندری بنا رہا ہے اور آج بھی فرنگی کی حکمت عملی اور پالیسیوں کو جاری رکھنے والے اور کسمپرسی کے باوجود سینہ تانے کھڑا ہے۔ آج کے مؤرخ کی یہ مجبوری ہے کہ وہ آپ کو امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے عظیم خانوادہ کی ملی و دینی خدمات سے آگاہ نہیں کرسکتا۔ اس کے قلم میں نئی نسل کو یہ بتانے کی سکت باقی نہیں رہنے دی گئی کہ سراج الدولہؒ اور ٹیپو سلطانؒ کے ساتھ کیا المیہ پیش آیا تھا؟ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کی وادی میں مظلوموں کا خون کس قصور میں بہایا گیا تھا؟ ۱۸۵۷ء میں ملک کے طول وعرض میں ہنگاموں کا مقصد کیا تھا اور اس کے بعد مسلمانوں بالخصوص علمائے کرام پر وحشت و بربریت کی قیامت کیوں برپا کی گئی تھی؟ بنگال کے حاجی شریعت اللہ تیتو میرؒ اور دودو میاںؒ کون تھے؟ سندھ کے عظیم راشدی روحانی خانوادہ کے نامور فرزندوں نے کیا کارنامے سرانجام دیے تھے اور لاکھوں مسلح حروں کو منظم کرنے اور انہیں فرنگی سامراج کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے میدان میں کیوں اتارا گیا تھا؟

آزاد قبائل میں آزادی کے وقت جاری جنگ کا پس منظر کیا ہے؟ تحریک خلافت، تحریک ریشمی رومال، تحریک ترکِ موالات، تحریک ہجرت اور تحریک حریت کامل کے قائدین کون تھے؟ اور ان تحریکات کے مقاصد کیا تھے؟ دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ الانصار، جامعہ ملیہ، نظارۃ المعارف، دارالارشاد سندھ اور ان جیسے اداروں کا ملت اسلامیہ کی فکری وعملی راہ نمائی میں کیا کردار رہا ہے؟ قادری راشدی خاندان اور دوسرے روحانی سلسلوں کی خانقاہوں نے برصغیر میں ملت اسلامیہ کے تشخص اور اس کی سیاسی ونظریاتی قوت کو بچانے کے لیے کیا خدمات سرانجام دی ہیں؟ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنی زندگی کا بیش قیمت حصہ دشت دشت کی خاک چھاننے میں کیوں

صَرف کیا؟ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اوران کے رفقاء کو جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دینے کی وجوہات کیا تھیں؟۔

آج کا مؤرخ اپنی ملی ذمہ داری کے باوجود ان سوالات کا جواب دینے سے گریز کر رہا ہے۔اس کے برعکس اس نے آزادیٔ برصغیر کی جو داستان وضع کی ہے اوراس نگارستان میں جن چہروں کو سجانے کی کوشش کی ہے ان کی جبینوں پر بارگاہِ اقتدار میں کیے گئے سجدوں کے نشانات مٹانے میں وہ کامیاب نہیں ہوسکا اوران کے دامن میں بدیشی حکمرانوں کے پھینکے ہوئے سکّوں کی کھنکھناہٹ شعور کے کان آج بھی سن رہے ہیں۔''

مذکورہ پس منظر کا قدرے تفصیلی جائزہ پڑھ لینے کے بعد ہمیں 'فکر شیخ الہند' سمجھنا آسان ہوجاتا ہے کہ انہوں نے کیونکر عافیت کی آسان راہ ترک کرتے ہوئے عزیمت کی کٹھن وادیوں میں سرگردان رہنے کو ترجیح دی۔ اس حوالے سے ''نقشِ حیات'' مصنفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے رقم کردہ اسباب واحوال کا مطالعہ ضروری ہے جس میں وہ برطانوی سامراج کے غاصبانہ تسلط کے نتیجے میں ہندوستان کے لوگوں کے ساتھ عموماً اور خاص طور پر مسلمانوں پر ہونے والے معاشی اور مذہبی مظالم کے ضمن میں سپردِ قرطاس کر کے تاریخ کے چہرے پر ڈالے گئے نقاب کو نوچتے ہوئے آنے والی نسلوں کو فکر شیخ الہندؒ سے شعوری آگہی دینے میں کامیاب رہے۔اہل حق اس اعتقادی ونظریاتی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ اسلام میں شخصیت پرستی کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا بلکہ نظریاتِ حق پر مرمٹنے کا سبق ملتا ہے،ہاں حق پر استقامت کے ساتھ نظریاتی جدوجہد کرنے والی شخصیات سے عقیدت ومحبت ایک فطری حقیقت ہے ایسے مردانِ حرونفوسِ قدسیہ مشعل راہ بنتی ہیں۔ان کی نظریاتی وعملی جہد مسلسل سے نئی نسل کو فکری جلا حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ تاریخ عزیمت کا وہ تسلسل ہیں جنکی مدبرانہ قیادت میں چلنے والی تحریک سے عزیمتِ حق کا نیا باب رقم ہوا۔تحریکی قیادت کے لیے چار صفات ''علمی رسوخ، روحانی رسوخ، رسوخ فی التجربہ وشجاعت'' کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔حضرت شیخ الہندؒ کلام الٰہی (قرآن مقدس) کے اُس اعتقادی ونظریاتی پیغام سے آگاہ تھے جس میں بلاخوف لومۃ لائم حق کی آفاقی تعلیمات کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کی ذمہ داری اہل علم پر ڈالی گئی ہے وہ قرآنِ مقدس سے حاصل شدہ عالمی ونظریاتی پیغام کی اصل حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے۔ایسے میں وہ سمجھتے تھے کہ تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ حق کی جدوجہد کا حاصل ہر سامراجی ودجالی نظام سے بغاوت کرنے اورٹکرانے سے

عبارت ہے۔ ہمارا المیہ یہ بھی ہے کہ ہم تحریکی جدوجہد سے وابستہ عظیم شخصیات کے تذکروں کو فقط تاریخی حقیقت سے محفوظ کرتے ہوئے ''پدرم سلطان بود'' کا راگ الاپتے ہوئے انکی فکری وعملی مساعی کو ان کی شخصیت تک محدود کرکے رکھ دیتے ہیں۔ جس سے ایسی شخصیات کے ذاتی احوال واوصاف اور کردار تو سامنے آتا رہتا ہے نیز اس پس منظر میں نئی نسل کو ان سے عقیدت ومحبت کا مثبت پیغام بھی ملتا ہے مگر ہم یہ کیونکر بھول جاتے ہیں کہ تحریکی جدوجہد اور عزیمت واستقامت کی صفاتِ حسنہ ہر دور کی اجتماعی قیادت کے لیے لازمی ''نظریہ ضرورت'' کا درجہ رکھتی ہیں۔ حالات کوئی قیاسی امر نہیں کہ ہمیں ان تاریخی شخصیات کے احوال سے موجودہ حالات کو سمجھنے یا قیاس کرنے میں قدرِ مشترک حاصل ہو سکے (ہرگز نہیں) ہر دور کے پیش آمدہ احوال کے تقاضے جداگانہ نظریہ ضرورت رکھتے ہیں۔ ان عظیم تاریخی شخصیات کے فکر وعمل سے جو مسلسل سبق ملتا ہے وہ یہ کہ راہِ حق میں ہمہ قسم کی جدوجہد کے دوران عزیمت، جہدِ مسلسل، عمل پیہم، یقین محکم، معاملہ فہمی، حسن تدبر، حمیت وغیرت، شجاعت جیسی صفاتِ عالیہ کے ساتھ ضروری تربیتی امور کا اہتمام کرنے، حالات کا درست ادراک کرکے وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بروقت درست فیصلے کرنے کی مزید خوبیاں، ایک مدبر وزیرک قائد کے لیے ماتھے کا جھومر کہلاتی ہیں۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ اپنے دور میں نظریاتی جدوجہد اور تحریک دعوت وعزیمت کے اُس سلسلۃ الذہب سے وابستہ عظیم تاریخی شخصیت ہیں جو اپنے پیشرو اسلاف کے عظیم کردار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتے ہوئے مسلسل پچاس برس خاموشی کے ساتھ ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھتے رہے جس کی طرف اس وقت کی سامراجی ایجنسیوں کو کچھ خبر نہ لگ سکی، تا آنکہ اپنوں کی غداری کے نتیجے میں جب اس تحریکی کڑیوں کو ملانے میں جو حقائق سامنے آئے تو ایسے میں فرنگی نظام اور قوت کی ظاہری مضبوط عمارت زمین بوس ہوتی نظر آ رہی تھی، ان کے پھیلائے ہوئے خفیہ جال کے تار پول بکھرتے دیکھے گئے وہ حیرت کے مارے غصے سے اپنی انگلیاں چبا رہے تھے کہ کیونکر ہم اتنی بڑی تحریک سے باخبر نہ ہو سکے، جی ہاں! یہ ایک ایسی عظیم مدبر قیادت تھی جس نے مسلسل پچاس سال اپنی اس عظیم تحریکی جدوجہد کی اس انداز سے آبیاری کی کہ پورے سامراجی نظام کو اسکی کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ دیکھنے میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ایک مدرس، شیخ الحدیث اور صوفی مزاج بزرگ کے طور پر ''بڑے مولوی صاحب'' کے لقب سے پہچانے جاتے تھے، لیکن!

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی!

کے مصداق حضرت شیخ الہندؒ کی فکری ہنڈیا اندر ہی اندر جوش مار رہی تھی۔ وہ مردم شناس مؤمنانہ فراست کے حامل مدبر قائد تھے، انہوں نے اس تحریک (جو تحریک ریشمی رومال کے تاریخی عنوان سے منسوب ومعروف ہے) کے لیے ایسے مردانِ حُر کا انتخاب کیا تھا جو 'من تو شدم تو من شدی' کا حسین مصداق بنتے ہوئے فکر شیخ الہندؒ کے امین وراز دار بنے، کوئی بھی تحریک مخلص کارکنوں کی جدوجہد سے آگے بڑھتی ہے تاہم قیادت کے لیے مدبر ہونے کے ساتھ حالات کے درست ادراک کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہونا اولین شرط ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جس ماحول میں اپنے عشقِ حریت کو آزمانے کا فیصلہ کیا۔ کیا ہم جانتے ہیں بھلا وہ کیسا تھا؟ جانئے! بقول مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ:

''وہ عہد جب سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں، وہ عہد جب حق بات کہنا انگاروں سے کھیلنا اور موت کے منہ میں جانا تھا۔ وہ عہد ایسا تھا کہ اس میں ایک طرف منڈی و بازار میں انسانی ضمیر کی بولی ہو رہی تھی اور ایک طبقہ سر، خان بہادر اور اس طرح کے سامراجی خطابات کے ذریعہ اپنی قیمت وصول کر رہا تھا تو دوسری طرف علماء اور صلحاء کی کھوپڑیوں سے محل تعمیر ہو رہے تھے۔ اور ان کے وجودِ پاک کو خنزیر کے چمڑوں میں سی کر زندہ جلایا جا رہا تھا اور ان سے ایک فرد کو نصف نصف مَن لوہا میں باندھ کر عبورِ دریا ''شور'' کی سزائیں دی جا رہی تھیں اور ملکی جیلوں کے علاوہ مالٹا کے عقوبت خانے ان سے آباد کیے جا رہے تھے۔''

اس عہدِ ستم میں ایک بوڑھا انسان جس کو دیوبند کے عام لوگ ''بڑے مولوی صاحب'' کے نام سے جانتے تھے وہ آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنے کے لیے بظاہر سفرِ حرمین کا عنوان لیے دیوانہ وار چل پڑتا ہے، انتہائی شاطر خفیہ ایجنسیوں کو بھی خبر نہ ہوسکی کہ اس کے قلب ودماغ میں برطانوی سامراج سے آزادی کے لیے کس قدر حریت آمیز چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔

انہیں کہنے والوں نے کہا اور بظاہر مخلص مشورہ دینا چاہا کہ ''حضرت جی! دارالعلوم دیوبند ہندوستان کا عظیم علمی مرکز ہے۔ برطانوی حکومت اسے پہلے ہی مشکوک نظروں سے دیکھتی ہے، آپ کے اس خفیہ مشن کی خبر اگر ان کو ہوگئی تو وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گی۔'' مگر ان کے مجاہدانہ عزم سے لبریز تاریخی جواب نے کہنے والوں کو حیران کر کے رکھ دیا کہ مجھے اس مشن پر میرے استاذ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لگا کر گئے تھے۔ میں اس سے کسی لمحہ دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ گویا دارالعلوم دیوبند پر کیا گزرتی ہے، مجھے اس سے کوئی سروکار

نہیں، وہ کوئی مجذوب قسم کے بزرگ نہ تھے بلکہ انتہائی مدبر، زیرک اور جہاندیدہ قائد تھے۔ عالمی حالات اور واقعات پر انکی نظر بہت گہری تھی، اس وقت برطانوی سامراج سے ٹکر لینا کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ منظّم خفیہ بندی کے ساتھ بغاوت برپا کرنے کے لیے گوریلا فوج کی تربیت وہ پہلے کر چکے تھے۔ افغانستان کے کوہستانی مردانِ حُر اِن کا نگاہِ انتخاب تھے، جلاوطن حکومت میں تمام سٹیک ہولڈرز (شرکائے فکر وعمل) کو اعتماد میں لے چکے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے ذریعہ افغان حکومت کو شریک کار بنایا جا چکا تھا، جنگ عظیم اول کے حالات سے فائدہ اُٹھانے کے لیے برطانوی سامراج پر ضرب کاری کے لیے وقت کا انتخاب ان کا بصیرت افروز فیصلہ تاریخی حیثیت کا حامل تھا، بچی کھچی خلافتِ اسلامیہ ترکی کو بھی اس مقدس مشن میں شامل کرنا ضروری تھا جس کے لیے حضرت شیخ الہندؒ اس پیرانہ سالی میں اس مشکل ترین مہم پر روانہ ہو رہے تھے۔ قدرت کو کیا منظور تھا یا تکوینی فیصلے (آسمانی فیصلے) کیا طے شدہ تھے۔ یہ نہ اس وقت کسی کے وہم میں تھے (نہ کبھی یہ موضوع ہو سکتے ہیں) اہل حق تو ظاہری حالات پر شرعی حقائق سے چلتے ہیں، حضرت شیخ الہند بھی شرعی اسباب کو اختیار کر رہے تھے۔

اب ذرا یہاں رکیے اور جائزہ لیجئے! کیا ہم نے کبھی اس پہلو پر غور کیا ہے کہ وہ شخص جس کا شریعت اوڑھنا بچھونا تھی، روحانیت (طریقت) کا اپنے وقت میں شیخ الاولیاء تھا، مگر وہ فیصلہ کرتے وقت یا اسباب اختیار کرنے کے لیے بظاہر کس قدر حیرتناک فیصلہ لے رہا تھا، مشترکہ مفاد (انگریز سامراج سے آزادی حاصل کرنے) کے لیے ہندوؤں، سکھوں اور سیکولر قوتوں سے سیاسی اتحاد (مذہبی اتحاد نہیں) قائم کر رہا تھا جو جلاوطن حکومت قائم کی جا رہی تھی اس کی کابینہ کی خبر ہی لے لیجئے کہ جلاوطن حکومت کا صدر، وزیراعظم اور بقیہ انتظامی عہدوں کو کتنی بصیرت سے تقسیم کیا گیا۔ تمام مذاہب کے نمائندگان اس تحریک کا فکری وعملی طور پر حصہ تھے۔ یہاں ہمیں حضرت شیخ الہندؒ کے سیاسی حسنِ تدبیر اور مقتضائے حالات پر ان کی دوراندیشی کی داد نہ دینا تاریخی بددیانتی ہوگی کہ وہ کس قدر مشکل ماحول میں تلخ ترین فیصلے لے رہے تھے اور اکثر اکابر علماء وصلحاء ان کی فکری وعملی تحریک کے رکن بننے پر فخر کر رہے تھے۔

ہمارے آج کے سیاسی تدبر کو نہ جانے کس فکری دیمک نے چاٹ لیا ہے کہ ہم ہر دور میں اکابر علماء ومشائخ کے ایسے فیصلوں کو نظرانداز کرتے ہوئے وقت کی مصلحتوں پر انہی کی سوچ اپنانے والے سیاسی تدبر کی حامل، معاملہ فہم قیادت پر بلا جواز تنقید کے نشتر چلاتے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ حضرت شیخ الہند، بعدازاں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہم جیسے اکابر صلحاء اسی پالیسی کو اپناتے ہوئے سیاسی قدر مشترک پر

کانگریس کا حصہ بنے رہے۔ آج بھی ہندوستان کے اکثر مدارس اور عوام کی اکثریت انہی راہوں کی راہی چلے آرہے ہیں۔ اور ایسا کرنا ان کی سیاسی مجبوری ہے۔ پاکستان کے معروضی حالات ہندوستان کے حالات سے بالکل مختلف ہیں، ہمارے ہاں ایک وقت تھا کہ بہت سارے جذباتی لوگ ''انقلاب، انقلاب'' کے نعرے لگاتے تھے (اور) حوالے میں فکر شیخ الہندؒ اور حضرت اقدس مولانا عبید اللہ سندھیؒ جیسی شخصیات کے فکر و عمل کو پیش کرتے تھے۔ معذرت!..... شاید حقیقت آمیز معلوماتی تجزیہ کے حوالہ سے ہمارے مطالعاتی فکر سے بہت سوں کو اختلاف ہوگا مگر ذرا عمومی رائے سے ہٹ کر ایک کلی درجے کا فطری قاعدہ یاد رکھ لیا جائے (اور شریعت میں بھی اس قاعدہ کا با قاعدہ لحاظ پایا جاتا ہے) تو ہماری بہت ساری غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔

ضابطہ یہ ہے کہ حالات قیاسی امر نہیں ہوتے کہ ہم کوئی بھی فیصلہ لیتے وقت تاریخی حوالہ دینا شروع کر دیں کہ فلاں موقع پر ہمارے اکابر نے یہ فیصلہ کیا تھا تو آج ہمیں بھی وہی فیصلہ لینا چاہیے۔ یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھی جائے کہ حالات کے حوالے سے نہ کوئی مستقل ضابطہ طے کیا جا سکتا ہے نہ ہی فیصلے لینے کے لیے کوئی قاعدہ وقانون متعین کیا جا سکتا ہے۔ حالات کی مثال مریض کی سی ہے کہ حکیم کے سامنے جو مریض اپنی کیفیت بیان کرتا ہے دانا حکیم اس کی انفرادی حالت کو دیکھ کر علاج تجویز کرتا ہے نہ کہ وہ کوئی مستقل نسخہ بطور قانون کے لاگو کر دیتا ہے کہ ہر مریض پر یہی نسخہ آزمایا جاتا رہے۔ یا دوسرے لفظوں میں پیش آمدہ حالات کی مثال ایک دشمن کی سی ہے جس سے نپٹنے کے لیے آپ کو دشمن کی قوت واستعداد اور اسٹریٹجی (جنگی حکمت عملی) کو سمجھنا ضروری ہے۔ (اور یہ ہر دور کی حکمت عملی ایک جیسی نہیں ہوا کرتی) اس کے بعد ہی آپ کوئی دفاعی پالیسی اپنا سکتے ہیں۔

ایسے ہی تحریکی فکر و عمل میں ہر دور کے وقتی حالات کو مدنظر رکھ کر فیصلے لیے جاتے ہیں۔ اس میں تاریخی حوالے نہیں چلتے اور یہ بھی قاعدہ یاد رکھا جائے کہ ہر دور میں علاقائی حالات بھی مختلف ہوتے ہیں، ہر علاقے میں جاری کسی تحریک میں ایک ہی فیصلہ لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کی ہی بالغ نظر شخصیت کو لے لیجیے کہ وہ پچاس برس جس تحریکی راہِ عزیمت پر چلتے رہے اس کو وقتی طور پر ثمر آور نہ ہونے کی وجہ سے مالٹا کی جیل سے واپسی پر حضرتؒ نے اگلی قیادت کو فوجی طاقت سے انقلاب برپا کرنے کی راہ سے دستبرداری کا مشورہ دے دیا۔

ایسا وہ کسی مایوسی یا بزدلی کے نتیجے میں نہ کہہ رہے تھے بلکہ حالات اور ماحول کی تبدیلی کی بنا پر جدوجہد کا نیا نسخہ (سیاسی جدوجہد کی راہ اپنانے کا) تجویز کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد والی ہماری سیاسی قیادت نے اپنی

جدوجہد کا فکر وعمل بدلا اور دیگر سیاسی قوتوں سے مل کر برطانوی سامراج سے آزادی کے حصول کے لیے اس دور کے قومی دھارے میں اپنا سیاسی وزن ڈالا۔ ایک صدی سے زیادہ وقت گزرنے کو ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے ان اکابر کے فیصلے پر عملدرآمد کررہے ہیں۔ عدمِ تشدد کی پالیسی اپنا کر اپنے بدلتے معروضی حالات کے پیش نظر وہ فیصلے لیتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے معروضی حالات کچھ اور نوعیت کے ہیں، افغانستان میں ہمارے اکابر کی پالیسی یکسر مختلف ہے۔ کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ کیا ہر جگہ کے اہل حق علماء وصلحاء شرعی حقائق سے بے خبر ہیں؟ وہ مختلف فیصلے کیوں کرتے ہیں؟ ہماری فقہ کی کتابیں اختلافِ ائمہ سے بھری پڑی ہیں۔ ایک ہی مسئلے پر بیک وقت فقہی علماء کا اختلافِ رائے سامنے آنا کوئی غیر معمولی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری ہر دور کی تحریکی نسل کی تربیت اسی نہج پر کی جائے کہ ہر دور میں فیصلہ وقت کے قاضی کا چلتا ہے، یہ فیصلہ قیاسی حقیقت سے نہیں کیا جاتا بلکہ معروضی حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

فکر شیخ الہند کو قیاسی تحریک کے طور پر نہ لیا جائے کہ ہر دور میں فکر شیخ الہند کا نسخہ کارگر سمجھ لیا جائے اور حضرت شیخ الہند کو معاذ اللہ کوئی فکری دیوتا (خدا) نہ سمجھ لیا جائے کہ ہر دور میں ان کے حوالے سے ہی فیصلہ لیا جائے بلکہ اس اہم حقیقت کو بہر حال پیش نظر رکھا جائے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دور کے مخصوص معروضی حالات میں جس فکر ونظر کو اپنایا تھا وہ اس وقت کا تقاضا تھا اور ان کی دور اندیش مدبر قیادت نے اپنے طور پر بروقت درست فیصلے کیے۔ نتائج کے نہ وہ مکلّف تھے، نہ آئندہ کوئی ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھا جائے کہ ہر ملک اور علاقے میں چلنے والی دینی تحریکوں کی قیادت اُسی دور اندیشی، بصیرت، حسن تدبر اور معاملہ فہمی جیسی صفاتِ حسنہ کی حامل ہونا چاہیے۔ مربوط، منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ کارکنان کی نظریاتی تربیت کا لازمی اہتمام کرنا ہر دور کی ضرورت ہے۔ مخلص قیادت، حوصلہ مند، تجربہ کار، حالات کا ادراک کرنے والی ہونی چاہیے، علماء وصلحا کی باہمی مشاورت سے بروقت درست فیصلوں کی عادت اپنانی چاہیے اور نتائج کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالہ کر دینا چاہیے، یہی سبق ہمیں سنت رسول اللہ ﷺ، عمل صحابہ کرام رضوان اللہ اور سلف صالحینؒ کے فکر وعمل سے حاصل ہوا ہے، اور حضرت شیخ الہندؒ اپنے دور میں سلف صالحین کے فکر وعمل کے انتہائی مدبر، زیرک، معاملہ فہم نمائندہ شخصیت تھے جنہوں نے آنے والی تحریکی نسل کے لیے بہت کچھ فکری اثاثہ چھوڑا ہے۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ کی پُر وقار تاریخی شخصیت سے منسوب تحریک ''تحریک شیخ الہندؒ'' سے حاصل

شدہ سبق کہہ لیجئے یا تاریخی تجزیہ کا عنوان دے دیجئے۔ وہ کچھ اس طرح ہے کہ حضرت شیخ الہند کوئی شخصی تحریک نہ تھی بلکہ ایک مسلسل پُرعزم ونظریاتی جدوجہد کا دائمی استعارہ (علامت رنشان) ہے۔ ہر دور کے اپنے تقاضے یا حالات جدا ہوتے ہیں۔ ایسے میں نظریاتی لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اکابر واسلاف کی تحریکی جدوجہد سے حاصل شدہ سبق ہمیشہ پیشِ نظر رکھا کریں۔ ہر دور کے حضرت شیخ الہندؒ الگ الگ عنوان یا لقب سے جانے جاتے ہیں۔ اصل نظریاتی جدوجہد کرنے والی پُرعزم قیادت پر منحصر ہے کہ وہ کسی تحریکی تسلسل کو کس فکر سے لیکر آگے بڑھتی ہے، قیاسی گھوڑے دوڑانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن وسنت کے مستند اور ثابت شدہ حقائق کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھا جائے تا کہ ہم کسی بزدلی، حوصلہ شکنی یا جذباتی ماحول سے محفوظ رہ سکیں۔ ہر دور میں اپنی مخلص قیادت پر اعتماد کیا جائے۔ قیادت پر بھی لازم ہے کہ اپنی تحریکی نسل کو وقت کے جذباتی ماحول کا ایندھن بنانے سے محفوظ رکھے ورنہ متشددانہ اقدامات سے تحریکات پیچھے چلی جاتی ہیں۔ اور اہم مقاصد کے حصول کی منزل دور دکھائی دینے لگتی ہے۔ اہم دینی تحریکات کو سبوتاژ کرنے کے لیے وقت کی قیادت سے کارکنوں کو بدظن کرنے کے لیے اختلافات کی بڑی بڑی عمارات کھڑی کی جاتی ہیں۔ ضروری ہے کہ ایسے حالات میں اتحاد واتفاق کو قائم رکھا جائے، ہر دور میں تحریکات سے ہٹ کر دوسرے دینی شعبوں میں مصروف ایک کثیر طبقہ عملاً جدا رہا ہے مگر وہ نظریۂ آپ کے حامی ہوتے ہیں، ان کو کسی طرح مطعون ٹھہرانا یا ان کے حق میں متشددانہ رائے قائم کرنا بے ادبی ہے جو جس جس دینی شعبہ میں مصروف العمل ہے اس کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کی عادت اپنائی جائے۔ کسی بھی طرح کی بے ادبی اور گستاخی کے فکر کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی جائے، اس سے دینی تحریکات کو ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔ (گویا فکری اعتدال ضروری ہے) ہماری نئی نسل کا اکابرؒ سے تحریکی رشتہ قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدارس میں بالائی کلاسوں (فوقانی درجات، موقوف علیہ اور دورۂ حدیث شریف یا تخصصات) میں باقاعدہ طور پر تربیتی سبق پڑھایا جائے۔ جس میں اپنے ایسے اکابر رحمہم اللہ کے مختلف ادوار میں ان کے عزیمتی اور تحریکی جذبے کو وُقعت اور سنجیدگی سے لیا جائے تا کہ وہ اگلے فکری وعملی میدان میں سلف صالحین رحمہم اللہ کی نظریاتی وعملی راہنمائی سے بہت کچھ سیکھ سکیں۔ یہاں خاص طور پر ایک انتہائی اہم تجزیاتی حقیقت کو یاد دلانا ضروری ہے جس کا اظہار حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے مالٹا جیل سے واپسی پر علماء حق کی اجتماعی مجلس میں فرمایا تھا کہ:

’’ہم نے مالٹا کی جیل میں بڑے غور وفکر کے بعد جوامت کی اجتماعی زبوں حالی کی وجہ تلاش کی تو سمجھ میں یہی حقیقت

سامنے آئی کہ ہم افتراقِ امت اور قرآنی تعلیمات سے دوری کی بنا پر ہمیشہ پستی کا شکار ہوتے چلے آرہے ہیں۔(خلاصہ مفہوم)''

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے علمی، روحانی اور تحریکی سند (نسبت) رکھنے والوں پر لازم ہے کہ قلب ودماغ اور روح میں اتر جانے والے اس جاندار نظریاتی تجزیے کو اپنی آئندہ کی دینی وسیاسی تحریکوں بلکہ علمی تربیت میں ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔ آج کی طرح ہر دور میں اس اہم نظریاتی حقیقت کا فکری جائزہ لے کر عملی اقدام اٹھانا ہر دینی وسیاسی قیادت کی اہم ذمہ داری ہے۔ مدارس کے نصاب میں قرآنی تعلیمات (نظامِ قرآن وسنت) کو انتہائی اہمیت و عظمت سے جاندار سبق کے طور پر لینا (پڑھانا) ضروری ہے۔(فقط برکتاً ترجمہ قرآن پڑھالینا کافی نہیں) افتراق وانتشار کے ہر دور میں حوصلہ شکنی کرتے ہوئے آنے والی ہر علمی وتحریکی نسل کو قرآنی تعلیمات کے مطابق آگے بڑھنے کے لیے فکری وعملی تربیت کا انتظام وانصرام (جو ہر دور کا نظریہ ضرورت ہے) انتہائی ضروری ہے۔

خوشی ہے کہ اس عمومی فکری پستی یا نظریاتی انحطاط کے غالب ماحول میں ''بزم شیخ الہند'' کے نام سے کوئی تحریک پھر سے اُٹھائی جارہی ہے۔ اس پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ''اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں'' تاہم خدارا مذکورہ حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئی نسل کا رشتہ اپنے پیشرو اسلافؒ سے جوڑا جائے، شخصیات کا تقدس نظریات، کردار کے پس منظر سے لیا جائے، فقط مخصوص فکر کو بطورِ حوالہ کے ہر دور میں لیتے رہنا حالات کے معروضی حقائق سے بے خبری کی علامت ہے، امید ہے کہ دورانِ تربیت اس مرکزی نکتہ نظر کو ہر دور میں پیش نظر رکھا جائے گا، ہر دور کا ایک سبق وعزم تو مشترکہ ہے اور رہے گا، بقول علامہ اقبال مرحوم:

یقینِ محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ہمارے لیے بھی یہی پیغام ہے اور حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ بھی اسی پر عمل پیرا رہے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو سلف صالحینؒ کی فکری وعملی درست اقتداء کی دائمی توفیق سے نوازے۔ آمین

☆☆☆

[نوٹ! بزم شیخ الہند گوجرانوالہ کی درخواست پر مولانا محمد زاہد انور صاحب (مصنف 'تلخیص البیان' مہتمم، جامعہ عثمانیہ شورکوٹ ضلع جھنگ) نے یہ انتہائی اہم اور چشم کشا مضمون تحریر فرمایا، فجزاهم الله تعالىٰ۔(مرتب: حافظ خرم شہزاد، گوجرانوالہ)]

مولانا زاہد الراشدی

# مسجد کے اعمال کو زندہ کرنے کی ضرورت

[۲۴ جون کو مغرب کی نماز کے بعد مسجد ارشد جاوید سینسرہ گورائیہ گوجرانوالہ میں نمازیوں سے خطاب]

بعد الحمد والصلوٰۃ! میں سب سے پہلے اس مسجد کی تعمیر پر آپ حضرات کو مبارک باد دینا چاہوں گا، اس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں بھی حاضری ہوئی تھی اور آج تین منزلہ شاندار عمارت دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ بنانے والوں، تعاون کرنے والوں اور اہل علاقہ سب کے لیے اس کارِ خیر کو دنیا و آخرت کی کامیابیوں کا ذریعہ بنائیں، آمین یارب العالمین، اس کے بعد میں ''مدرسہ اصحاب صفہ'' کے قیام اور سرگرمیوں پر مسرت کا اظہار کروں گا اور مبارک باد دوں گا کہ آج طالبات کے لیے دراسات دینیہ کے کورس کا آغاز ہو رہا ہے، جو ایک اچھی پیش رفت ہے، اللہ تعالیٰ مسلسل کامیابیوں سے نوازیں۔

مسجد کا ہمارے معاشرے میں مقام اور کردار کیا ہے اس حوالے سے آج کچھ گذارشات پیش کرنا چاہوں گا، ہمارے تبلیغی بھائی اکثر اوقات ایک جملہ کہا کرتے ہیں کہ ہماری جدوجہد کا ایک مقصد مسجد کے اعمال کو زندہ کرنا بھی ہے، یہ بالکل درست ہے اور ضروری بات ہے، اس لیے کہ خیر القرون میں مسجد میں جو کام ہوا کرتے تھے مسجد کے اصل کام وہی ہیں، جن میں سے آج بہت سے کام مسجد میں نہیں ہو رہے چنانچہ ہمارے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ مسجد کے کاموں کی طرف توجہ دیں اور ان میں سے جن کاموں کا ماحول ہم بنا سکتے ہیں اس کی کوشش کریں، اس سلسلہ میں ایک روایت پیش کرنا چاہوں گا کہ ایک دفعہ مسجد نبویؐ میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجد میں ایک طرف پیشاب کرنا شروع کر دیا، صحابہ کرامؓ نے اسے روکنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع کر دیا، وہ فارغ ہوا تو اسے بلا کر نرمی سے سمجھایا کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ وہ (۱) نماز (۲) ذکر اور (۳) تلاوت کلام پاک کے لیے

بنائی جاتی ہیں، تو مسجد کے بنیادی کام تین ہیں، ایک یہ کہ اس میں نماز کا اہتمام ہو کیونکہ نمازیں مسجد میں ادا کرنے کا حکم ہے البتہ عذر اور ضرورت کے وقت دوسری جگہ میں پڑھی جا سکتی ہے، مگر نماز کا مردوں کے لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ اہتمام سے نماز پڑھیں جبکہ ہم نے آج کل معاملہ الٹ کر رکھا ہے، اصل حکم ہے کہ نماز مسجد میں با جماعت پڑھو اور اگر کوئی عذر یا مجبوری ہو تو گھر میں، دکان پر یا کسی اور جگہ میں بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے مگر ہمارا ماحول یہ بن گیا ہے کہ اگر وقت، گنجائش اور سہولت ہے تو مسجد میں چلے جاتے ہیں ورنہ اگر پڑھنی بھی ہے تو جہاں ہوتے ہیں وہیں پڑھ لیتے ہیں، بہرحال مسجد کا پہلا کام نماز ہے، دوسرا کام قرآن کریم کی تلاوت وتعلیم ہے جس کا اہتمام مسجد میں ہونا چاہیے اور اکثر مساجد میں اس کا اہتمام ہوتا ہے، تیسرا کام ذکر ہے جس سے مراد ذکر و اذکار بھی ہے، وعظ و نصیحت بھی ہے اور دعوت و تبلیغ بھی اس کا حصہ ہے۔

مگر خیر القرون میں اس کے علاوہ بھی بہت سے کام مساجد میں ہوتے تھے جو آج نہیں ہو رہے اور ان کاموں کو مسجد کے ماحول میں واپس لانا میرے خیال میں مسجد کے اعمال کو زندہ کرنے کا اصل مفہوم ہے مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے دور میں عدالت مسجد میں لگتی تھی اور مقدمات وہاں بیٹھ کر سنے جاتے تھے، آج اگر وہ سارا کام مسجد میں واپس نہیں لایا جا سکتا تو کم از کم یہ تو ہو سکتا ہے کہ محلّہ میں ہونے والے باہمی تنازعات کو مصالحت کے ذریعہ حل کرانے کا کوئی نظم مسجد میں بنایا جائے، اگر مسجد کی کمیٹی اور محلّہ کے ذمہ دار افراد کوئی ایسا ماحول بنا لیں کہ اس علاقہ میں ہونے والے تنازعات اور جھگڑوں کو مسجد میں پنچایت اور مصالحت کے انداز میں نمٹا لیا جائے تو بہت سے لوگ تھانہ کچہری کے چکروں اور اخراجات سے بچ جائیں گے اور عدالتوں پر مقدمات کا بوجھ بھی کم ہوگا، یہ کام پنچایت، کونسلنگ اور مصالحت کے عنوان سے دنیا کے مختلف ممالک میں ہو رہا ہے اور پاکستان کا دستور و قانون بھی اس کی گنجائش دیتا ہے، اس لیے میری گذارش مسجد کی کمیٹی اور منتظمین سے یہ ہے کہ وہ اپنے ماحول اور ضروریات کے دائرے میں اس کی کوئی صورت بنائیں، دوسرا کام رفاہ عامہ کا ہے جس کے لیے مسجد سب سے بہتر مرکز ہو سکتی ہے اور خیر القرون میں مسجد ہی اس کام کا مرکز رہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھ کر ضرورت مندوں کی باتیں سنتے تھے اور انہیں پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ محلّہ کے لوگوں کو اپنے اردگرد کے ضرورت مندوں کا زیادہ علم ہوتا ہے اور وہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں کہ کس شخص اور خاندان کو مدد کی ضرورت ہے اور کس حد تک ہے، اس سے فریب اور دھوکے کے امکانات

کم ہوجاتے ہیں جو آج کل عام ہوگئے ہیں، اور بھیک مانگنے والوں کے ہجوم میں اصل ضرورت مند محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے مساجد کے منتظمین کو چاہیے کہ وہ مسجد کے باقی شعبوں کے ساتھ محلّہ کے ضرورت مندوں کا خیال رکھنے اور ان کی ضرورت کے مطابق امداد کو بھی اپنی ذمہ داریوں میں شامل کر لیں، ان کاموں کا مرکز اگر مسجد ہوگی تو اس میں برکت ہوگی اور صحیح راہنمائی بھی میسر آئے گی، اس طرح مسجد کے اعمال میں

(۱) نماز (۲) دعوت وتبلیغ (۳) قرآن کریم کا درس وتعلیم (۴) ذکر واذکار (۵) مصالحت وپنچایت اور (۶) ضرورت مندوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ (۷) باہمی ربط وتعاون کا ماحول بڑھے گا اور معاشرے کی مجموعی صورت حال پر بھی اس کا مثبت اثر پڑے گا جو آج کی ایک اجتماعی ضرورت ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ میں اس علاقہ کے تمام مسلمان بھائیوں کے ساتھ ساتھ مسجد ومدرسہ بنانے والوں اور اس کا انتظام چلانے والے دوستوں کو مبارک باد دیتا ہوں، خدا کرے کہ ہم ضرورت کی ہر جگہ میں اس قسم کا ماحول بنا کر اپنی نئی نسل کو بے راہ روی سے بچاتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلا سکیں، آمین یارب العالمین۔

(۱) الحمد للہ گزشتہ ماہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی طرف سے ایک نئے شعبہ کا آغاز کیا گیا ہے، جس کے تحت ادارہ نشر و اشاعت جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی طرف سے شائع شدہ تمام قدیم و جدید تصنیفات کی نئی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور تصحیح وتخریج وغیرہ کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، جسے جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل اور اعزازی مدرس عزیز القدر مولانا حافظ محمد شیراز نوید سلمہ اللہ تعالیٰ انجام دیں گے، فقیر محمد فیاض خان سواتی کے ہاتھ سے اس کا افتتاح ہوا، برفی اور شربت سے انہوں نے خاطر وتواضع بھی فرمائی، دعا ہے کہ اللہ کریم اس نیک مقصد میں ہمیں سرخ رو فرمائے، آمین یارب العالمین۔

(۲) گزشتہ ماہ جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے باہر فاروق گنج روڈ کی جانب گلی میں ایک جدید شعبہ فوٹو سٹیٹ کا افتتاح بھی کر دیا گیا ہے، جس میں عزیز القدر محمد اسامہ عارف سلمہ اللہ تعالیٰ ڈیوٹی انجام دیں گے، ان شاء اللہ۔
اس میں عوام الناس کے لئے بھی قیمتاً فوٹو سٹیٹ کی سہولت رکھی گئی ہے، فوٹو سٹیٹ کی مشین سعودی عرب میں مقیم جامعہ کے ایک قدیم طالب علم جناب رضوان چیمہ صاحب نے جامعہ کے لئے ہدیہ کی ہے، اللہ کریم انہیں اس کار خیر پر جزائے خیر سے نوازے اور اس شعبہ میں بھی برکتیں نصیب فرمائے اور مزید ترقیوں سے نوازے، آمین۔

مولانا محمد فیاض خان سواتی

# خاطرات

## عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت اور منکرین ختم نبوت کا تاریخی پس منظر

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی حفظہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت سے کون متعارف نہیں، مسلمانانِ عالم خواہ عرب وعجم کے ہوں یا یورپ وافریقہ اور دیگر برِ اعظموں کے، سب ہی کے ہاں وہ اہل السنۃ والجماعۃ، احناف اور مسلکِ دیوبند کے ایک مدبر، صاحبِ فہم وفراست، حالاتِ حاضرہ کی نبض پر مضبوط گرفت رکھنے والے کہنہ مَشق اور ہر دلعزیز عالم باعمل انسان ہیں، ان میں بہت سی خصوصیات ایسی بھی ہیں جو ملک کے خال خال اہلِ علم میں بھی شاید موجود نہ ہوں، الّا ماشاءاللہ۔

اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے جس کی وجہ سے وہ مسلسل ''محسود'' چلے آ رہے ہیں، لیکن ہمیں خدا کی ذات پر مکمل بھروسا ہے کہ ان میں موجود خداداد صفات میں کیڑے نکالنے والے پہلے کی طرح ہمیشہ ناکام ہی ہوں گے، ان شاء اللہ العزیز۔ کیونکہ

وذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء۔

ع ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میری ناقص رائے کے مطابق مولانا راشدی پر اعتراضات کرنے والا آدمی کم از کم مندرجہ ذیل صفات کا حامل ضرور ہونا چاہیے، وگرنہ اسے اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۱) جس نے ان کی اول تا آخر تحریرات کا بنظرِ غائر مطالعہ کر رکھا ہو۔

(2) اکابر اہل السنۃ والجماعۃ احناف اور علماءِ دیوبند کی تحریرات اور طرزِ عمل سے بھی آگاہ ہو۔

(3) سنی سنائی باتوں پر یقین رکھنے والا اور کانوں کا کچا نہ ہو۔

(4) تفصیلی عبارات کو چھوڑ کر مجمل اور مبہم عبارات سے استدلال کرنے والا نہ ہو، یعنی " تاويل القول بما لا يرضى به القائل " کا داعی نہ ہو۔

(5) اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فہمِ سلیم اور تدبر و حوصلہ سے بھی مالا مال ہو۔

مولانا راشدی جامعہ نصرۃ العلوم کے صدر مدرس ہیں اور احقر مہتمم کے منصب پر فائز ہے، اس سلسلہ میں اب تک جتنے بھی علماءِ کرام اور احباب سے بات ہوئی ہے، انہوں نے مولانا راشدی کی عالمِ اسلام کے لئے بے بہا خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور ان کی مخالفت کرنے والوں کے معاندانہ و مخاصمانہ رویہ پر شدید افسوس کا اظہار بھی کیا ہے اور جن چند لوگوں نے ان پر اعتراضات کو صحیح سمجھا ہے میرے مشاہدے کی حد تک یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ لوگ مندرجہ بالا صفات کے بالکل بھی حامل نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے بعض حضرات سے استفسار پر اصل حقائق سے بے خبر ہونے کی وجہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ صرف لله فی الله مخالفت برائے مخالفت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

ایک بڑا المیہ بلکہ سانحہ یہ بھی ہے کہ مولانا راشدی کے خلاف پراپیگنڈا سے متاثر حضرات میں سے ہر کہ و مہ یہ چاہتا ہے کہ وہ مولانا کو اپنی عدالت کے کٹہرے میں تنہا کھڑا کر کے ان سے براہِ راست سوال و جواب کر کے اطمینان حاصل کرے لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

ان حضرات کے پاس شاید اتنا فالتو وقت ہو لیکن جس شخص نے روزانہ تفسیر قرآن، بخاری شریف، طحاوی شریف، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ جیسے اہم ترین اسباق پڑھانے ہوں، صبح کا عوامی درسِ قرآن و حدیث دینا ہو، جمعہ کی خطابت کرنی ہو، متعدد رسائل و جرائد کے مضامین اور کئی اخبارات کے کالم لکھنے ہوں اور ملک بھر میں خصوصی و عمومی اجتماعات کے لئے مسلسل اسفار کرنے ہوں اور ذاتی ضروریات بھی ان پر مستزاد ہوں، وہ اتنا فارغ البال نہیں ہوتا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ مطمئن کر سکے، لہٰذا ان سے اس قسم کی باز پرس کی توقع رکھنا کم از کم نادانی سے کم نہیں ہے۔

مولانا راشدی کی شخصیت وہ ہے جس پر عالمِ اسلام کے اکابر اہلِ علم نے اعتماد کا اظہار کیا ہے، یہ بات شاید بہت سے حضرات کو معلوم نہ ہوگی کہ

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنفی کے نامور امام، محدث اور فقیہ عالمِ دین علامہ زاہد الکوثری المصریؒ کے مشہورِ

زمانہ اور ممتاز شاگرد اور جانشین الحافظ الکبیر المحدث الفقیہ الشیخ ابوزاہد عبدالفتاح ابوغدہ الحلبی الشامیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ شافعی کے مرجع الخلائق محدث عالم الشیخ المسند ابوالفیض محمد یاسین الفادانی المکیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنبلی کے ہر دلعزیز معمر عالم الشیخ المحدث عبداللہ بن احمد الناخبی الیافعی الحضرمی الیمنیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ اہل السنۃ والجماعۃ فقہ حنفی اور سلسلہ دیوبند اور ندوہ کے عرب وعجم میں ممتاز عالمِ دین اور مفکر الاستاذ الکبیر الشیخ السید ابوالحسن علی الحسنی الندوی الہندیؒ نے اپنی سند کے ساتھ انہیں حدیث کی اجازت دی ہے۔

☆ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس محدث العصر حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے جانشین شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد انظر شاہ مسعودیؒ فاضل دیوبند نے بھی آپ کو اپنے مجازین میں شامل کیا اور اپنی سند سے حدیث کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

☆ مفسرِ اعظم پاکستان حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ فاضل دیوبند، محدث اعظمِ پاکستان حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ فاضل دیوبند، محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع جھنگویؒ فاضل دیوبند، الشیخ الکبیر حضرت مولانا مفتی السید جمال احمد المظاہری البنویؒ فاضل مظاہر العلوم سہارنپور اور الاستاذ الکل الشیخ حضرت مولانا عبدالقیوم الھزارویؒ فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان جیسے اساطینِ علم وفضل نے بھی اپنی سندوں کے ساتھ انہیں اجازتِ حدیث عطا فرمائی ہے۔

☆ امام الہدیٰ جانشینِ امام الاولیاء حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ فاضل دیوبند نے اپنے دستِ حق پر انہیں بیعت فرمایا اور راشدی کی نسبت بھی عطا فرمائی۔

☆ مفکرِ اسلام حضرت مولانا السید ابوالحسن علی الندویؒ نے اپنے دستِ مبارک پر انہیں بیعت فرمایا۔

☆ امام اہل السنۃ محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے اپنے دستِ بابرکت پر انہیں بیعت فرمایا اور نقشبندی سلسلہ میں خلافت سے بھی سرفراز فرمایا، اپنی مسندِ تفسیر وحدیث پر بٹھایا، تصوف کے موضوع پر کتاب لکھنے کا حکم فرمایا اور اپنی نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت بھی فرمائی۔

☆ مجاہدِ ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ وغیرھم اکابر کا مکمل اعتماد اور رفاقت بھی آپ کو برسہا برس نصیب ہوئی۔

نہایت افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ گوجرانوالہ کے چند معاندین نے ایک ایسے شخص پر قادیانی ہونے کا بہتانِ عظیم باندھا ہے کہ جس کی قادیانیت کے سدِ باب اور عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کے محاذ پر اتنی گرانقدر اور مسلسل خدمات ہیں کہ جن پر تبصرہ کرنا بھی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

احساسِ کمتری کے شکاران لوگوں نے عالمِ اسلام کی اُس عبقری شخصیت پر اتہام بازی کی ہے جنہوں نے تقریر وتحریر اور تدریس کے ذریعہ نصف صدی سے زائد عرصہ مرزائیت کے خلاف ہزاروں خطبات ومواعظ اور محاضرات سے عوام الناس اور اہلِ علم کو روشناس کرایا اور ہزاروں صفحات پر مشتمل سینکڑوں مضامین اور کتب تحریر کیں، عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کے لئے کئی کئی ماہ تک متعدد بار جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند رہا اور تحاریکِ ختمِ نبوت کے ہراول دستہ میں ہر دور کے اندر قابلِ قدر وفخر کردار ادا کیا۔ جس نے اس سلسلہ میں بیسیوں بار غیر ملکی اور آئے روز ملکی اسفار کیے۔

اس کتاب میں مرزائیت کے جملہ پہلوؤں کے بارہ میں خواہ وہ ملکی ہوں یا بین الاقوامی اس قدر بسط اور تفصیل سے کلام موجود ہے کہ انسان پڑھ کر ہی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، مولانا راشدی کے متعدد مضامین اور بیانات کو افادات کے عنوان سے مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر قادری لاہوری فاضل جامعہ نصرۃ العلوم نے مرتب کیا ہے، جو فہرست میں ۲۳ عنوانات پر مشتمل ہے، کتاب کے صفحات ۱۶۰ ہیں، البتہ قیمت درج نہیں ہے، اسے شعبہ نشر واشاعت پاکستان شریعت کونسل نے جامعہ مسجد امن اہل السنۃ والجماعۃ ۲۸۵ جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور نے شائع کیا ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے رابطہ نمبر یہ ہے۔ 0300-9496702

یہ کتاب جہاں عقیدہ ختمِ نبوت کا تحفظ کرنے والوں کے لئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے وہاں مخالفین اور معاندین کے لئے بھی تازیانہ عبرت ہے، اے کاش کہ وہ لوگ اس کتاب کو ہی ایک مرتبہ پڑھ لیتے تا کہ ان کو پتہ چل جاتا کہ ان کے فتوؤں کا رخ درست سمت میں نہیں۔

ہماری تو دعا ہے کہ اللہ کریم ایسے معاندین کو راہِ ہدایت دکھائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین بحرمۃ خاتم الانبیاء والمرسلین۔

مولانا قاری سعید احمد

# استاذ الحفاظ والقراء حضرت قاری فداء محمد ضیاءؒ

(سابق مدرس شعبہ حفظ جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

**نام ونسب:** آپ کا نام فداء محمد ضیاء بن عبدالکریم بن نوران شاہ بن دوست محمد خان امازئی۔

**ولادت:** آپ جنوری 1948ء میں ضلع مانسہرہ سابقہ ضلع ہزارہ ریاست چھلڑا میں ایک پرفضاء مقام اکمل میں پیدا ہوئے۔خاندان امازئی۔

**حفظ:** 1959ء میں اپنے چچا محترم حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے پاس گوجرانوالہ میں آ گئے۔مولانا محمد یوسفؒ جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل تھے۔دیگانوالہ والا بازار، جڑ محلّہ کی جامع مسجد مولوی عبدالغنی والی میں امام وخطیب تھے اور ساتھ صابن سازی کا بزنس کرتے تھے۔آپ نے اپنے بھتیجے کو شہر کے معروف استاذ حضرت حافظ نظام الدینؒ جو شاگرد رشید تھے حضرت قاری کریم بخشؒ کے، ان کے پاس حفظ القرآن کے لیے داخل کرادیا۔قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد گکھڑ میں امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے مدرسہ میں استاذ القراء حضرت قاری محمد انورؒ سے منزل پختہ کی اور علم تجوید کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔یہاں پر شیخ الحدیث مفکر اسلام علامہ زاہد الراشدی مدظلہ العالی آپ کے ہم سبق تھے۔

**تجوید وقراءت:** اس کے بعد تجوید وقراءت کی باقاعدہ تعلیم استاذ القراء والمجودین حضرت مولانا قاری المقری اظہار احمد تھانویؒ سے دارالعلوم اسلامیہ انارکلی لاہور میں حاصل کی۔

**تلاوت:** قاری صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن صوت سے خوب نوازا تھا۔محافل قرأت میں جب تلاوت فرماتے تو سامعین عش عش کر اٹھتے۔مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر انتظام جلسوں میں افتتاحی تلاوت کے لیے سرخ قمیص پہن کر بارہا ملتان، لاہور، چناب نگر اور پاکستان کے دیگر شہروں میں تشریف لے گئے۔

**صفات:** آپ سادگی، مہمان نوازی، قناعت، زہد، عشق قرآن، شب زندہ دار، خوش مزاج، دوستوں کے دوست، علماء میں عالم باصفا کھلاڑیوں میں منفرد کھلاڑی، شکار، سیر وسیاحت کے شیدائی، اپنوں بے گانوں کے دل نواز، سخاوت میں بے مثل جیسی صفات کے حامل تھے۔

**اعزازات:** آپ نے کئی بار ضلعی، ڈویژنل، صوبائی، ملکی سطح کے مقابلوں میں شرکت کی اور نمایاں پوزیشن حاصل کر

کے نقد انعام تعریفی اسناد و میڈل حاصل کیے۔

**امامت وخطابت:** 1969-74 آپ نے جامع مسجد قاری سعید احمدؒ والی بازار خراداں محلّہ نور باوا گوجرانوالہ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیے۔ آپ رمضان المبارک کے مہینے میں نماز تراویح میں بھی قرآن کریم مکمل کرتے اور ساتھ ساتھ نماز فجر میں بھی ایک پارہ روزانہ اس طرح پڑھ لیتے کہ نمازیوں کو قطعاً گرانی نہ ہوتی، آپؒ چند سال شیر شاہ کالونی کراچی کی ایک مسجد میں امامت وخطابت اور تدریس قرآن کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

**تدریس:** 1978ء میں آپ نے ابوظہبی (U.A.E) میں کچھ ماہ تدریس کی مگر جلد پاکستان آ گئے اور ملک کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں مفسر قرآن، ولی کامل حضرت مولانا ابو فیاض صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کی سرپرستی میں 1984ء تک شعبہ حفظ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے کچھ عرصہ مدرسہ اشرف العلوم باغبانپورہ گوجرانوالہ میں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ 1984ء میں جماعۃ الخیریۃ کی دعوت پر سعودی عرب میں الریاض کے قریب معروف قصبہ وادی النخیل الثمیر میں شعبہ تحفیظ القرآن کریم کے لیے آپ کا انتخاب کیا گیا اور 1995ء تک آپ نے یہاں پر تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

**وفات:** الریاض میں ہی آپؒ کو اپنے والد محترم کے انتقال کی غمناک خبر ملی تو آپ اپنے ابا جان کی طرف سے عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے کہ راستے میں روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) یکم جنوری 1995ء نماز مغرب کا وقت تھا خاندان والوں کی درخواست پر الشیخ حمد الرئیس کی کاوشوں سے گورنر آف الریاض موجودہ سعودی فرماں روا شاہ سلمان بن عبدالعزیز اور گورنر آف مدینہ طیبہ کی منظوری سے آپ کا مسجد نبوی شریف میں 2 جنوری 1995ء کو نماز فجر کے بعد جنازہ پڑھا گیا اور جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔　　　پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

**اولاد:** آپؒ نے پسماندگان میں نیک صالحہ صوم وصلاۃ کی پابند باوفا بیوہ اور چار بیٹے: حافظ محمد اویس فداء، حافظ صہیب فداء، حافظ سہیل فداء، حافظ عمیر فداء اور تین بیٹیاں جو کہ ماشاءاللہ عالمہ فاضلہ ہیں سوگوار چھوڑیں۔

**تلامذہ:** آپ کے تلامذہ تو سینکڑوں میں ہیں۔ چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں

(۱) حضرت مولانا قاری محمد فیاض خان سواتی مدظلہ (مہتمم جامعہ نصرت العلوم) (۲) مولانا قاری محمد ریاض خان سواتی، ناظم جامعہ نصرۃ العلوم (۳) مولانا قاری حافظ عبدالقادر، گوجرانوالہ (۴) حضرت قاری عبدالجبار مجاہد، گوجرانوالہ (۵) حافظ محمد اویس، بیٹا (۶) حافظ محمد ضیاءاللہ، گوجرانوالہ (۷) حافظ محمد طارق، صدر جامعہ رحمانیہ گوجرانوالہ (۸) حافظ خلیل الرحمٰن مرحوم، گوجرانوالہ (۹) حافظ حبیب صاحب (۱۰) قاری عبدالحفیظ، گوجرانوالہ (۱۱) حافظ محمد عمران

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○..................○ مولانا زاہد الراشدی صاحب

# کم سنی میں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی شادی کی حکمت

''جہاں تک کم سنی میں ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کی شادی کی حکمت کا تعلق ہے، اس کے لیے ہمیں مغرب کے پیدا کردہ اس ماحول اور نفسیاتی تاثر سے نکلنا ہوگا کہ شادی کا مقصد صرف ''سیکس'' (Sex) ہے اور ایک جوڑا صرف اپنی خواہشات کی تکمیل کی ضرورت کے تحت ''سوشل کنٹریکٹ'' کے تحت ایک دوسرے سے منسلک ہوتا ہے، اسلام کے نزدیک شادی کے مقاصد کا تناظر اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور اس وسیع تناظر میں اس شادی کا جائزہ لیا جائے تو ایک حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نسلِ انسانی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیمات و ہدایات لے کر آئے اور ان تعلیمات و ہدایات پر عملدرآمد کا واقعاتی اور عملی ماحول جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا جسے قرآن کریم نے ''اسوہ حسنہ'' کے طور پر پوری امت کے لیے واجب العمل قرار دیا ہے اور وہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں طور پر ہے اور اس میں چار دیواری کے باہر کی دنیا کے بارے میں ارشادات، تعلیمات اور ہدایات کے ساتھ ساتھ گھر کی چار دیواری کے اندر کا ماحول اور تعلیمات بھی شامل ہیں، بلکہ ایک لحاظ سے وہ نصف دین ہے، اس نصف دین کو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کرنے، سمجھنے اور اس کا پوری طرح ادراک کرنے کے لیے فطری ضرورت یہ تھی کہ کوئی لڑکی تعلیم و تعلم کی طبعی عمر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے جو ذہین و فطین ہو اور اس کی حیثیت بیوی کی ہو، تاکہ کسی بات کے سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی حجاب نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے عملی و دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حضرت عائشہ ؓ کو نو سال کی عمر میں بیوی کے طور پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل کیا، انہوں نے مسلسل نو برس تک تعلیم حاصل کی، پھر باقی ساری زندگی امت کو تعلیم دینے اور اس کی دینی راہنمائی میں بسر کر دی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کم و بیش نصف صدی تک حضرت عائشہؓ نے امت کی جو دینی اور علمی خدمت کی ہے، وہ اس بات کی شہادت ہے کہ حرم نبی میں ان کی آمد کا اصل مقصد یہی تھا اور اس کے لیے فطری طور پر ضروری تھا کہ وہ نکاح کے وقت تعلیم و تعلم کی فطری عمر میں ہوں، ذہانت و فطانت کی اعلیٰ صلاحیت سے بہرہ ور ہوں، بحیثیت بیوی کے حرم نبوی کا حصہ ہوں اور ان کے ذہن کی تختی خالی ہو کہ حرم نبوی سے ہی ان کی تعلیم کا آغاز ہوا ہو۔'' (روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۵ ستمبر ۲۰۱۰ء)